www.urducouncil.nic.in

فروری 2017، قیمت :- /10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے: اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

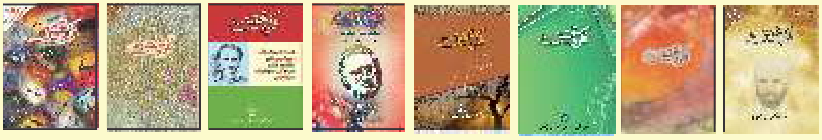

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

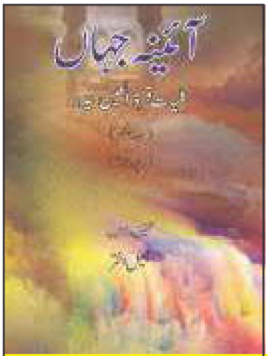

صفحات 407، قیمت: 182 روپے

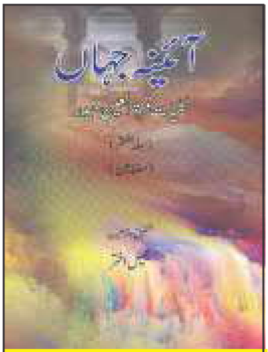

صفحات: 359، قیمت: 165 روپے

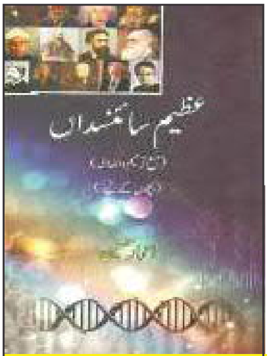

صفحات: 121، قیمت: 32 روپے

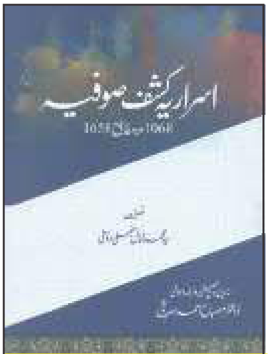

صفحات 403، قیمت: 33.5 روپے

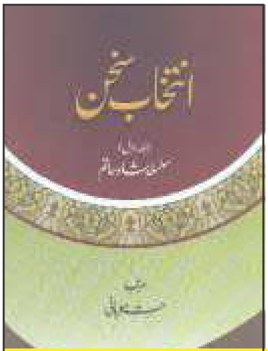

صفحات: 388، قیمت: 175 روپے

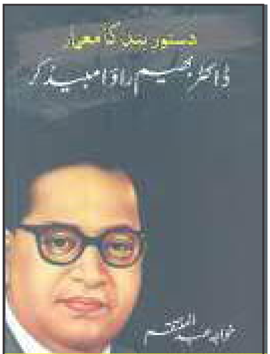

صفحات: 155، قیمت: 70 روپے

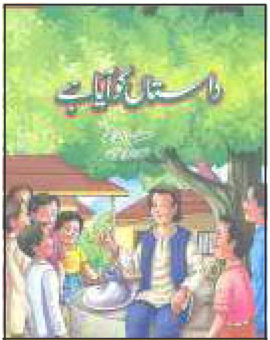
صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

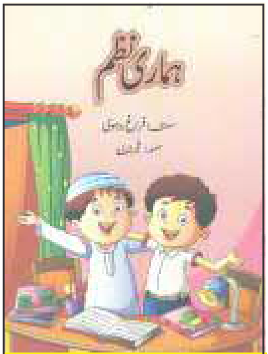

صفحات: 20، قیمت: 30 روپے

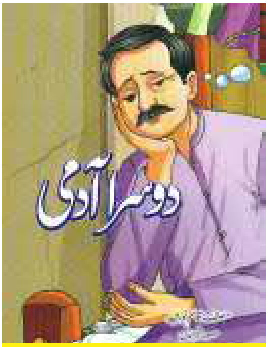

صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
حمد	اللہ جل جلالہ	شکیل احمد	06
مضمون	پتنگ اور جشنِ بہاراں	ریحان کوثر	07
نظم	ماں کی پہچان	محمد وکیل	11
مضامین	لال قلعہ کا قصہ	مختار ٹونکی	12
	بینک کی کہانی	اسعد اللہ	14
	کلینر فش	بسم اللہ عدیم برہانپوری	17
نظم	یاد آتا ہے بچپن	سالک جمیں براڑ	18
ڈراما	صبح کا بھولا	شیریں نیازی	19
کہانیاں	محاوروں اور کہاوتوں کی کہانی	راشد جمال فاروقی	24
	عجیب وغریب پرندہ: ققنس	حشمت کمال پاشا	27
	مختصر کہانیاں	اظہر نیر	29
	پانی کی بربادی	مرزا نہال حبیب بیگ	32
نظمیں	ایک بچے کی تصوراتی دنیا	فاطمہ شاہین	34
	وقت	اقبال محمد خان	35
	پانی		35
کہانیاں	ادب کی اہمیت	عبدالوہاب قاسمی	36
	انوکھی سزا	حسن نظامی کیرانی	38
باتصویر کہانی	داستاں گو آیا ہے	رتن سنگھ	39
قسط وار داستان	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	43
کتابوں کی سیر	بچوں کا کتب خانہ	اظہر ابرار	50
کہکشاں	علم کی اہمیت	عاطف محمد	51
	چمن چمن کے پھول		52
	نیلوفر اور جن	ثمرین صدف شکیل احمد	53
	سنہری باتیں	محمد ثمرین	54
	بڑے لوگ بڑی باتیں	محمد فاروق	54
	ہماری زبان		55
	آؤ اردو سیکھیں		56
	ہنسی کے غبارے		58
ننھے فنکار	جادوئی قلم	طربیہ حیات بنت شمشاد احمد	59
	بچوں کی پینٹنگ		61
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

بچوں کی دنیا

جلد: 5 شمارہ: 2 فروری 2017

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضی کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 1-5، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

آپس کی باتیں

دوستو! ہمارا ملک صدیوں سے مختلف علوم وفنون کی آماجگاہ رہا ہے اور ہماری تہذیب وروایت کی ایک روشن تاریخ بھی رہی ہے۔ یہ ملک کثرت میں وحدت کی بہترین مثال ہے۔ یہاں سبھی لوگ اپنے عقائد کے مطابق مختلف رسومات کی پابندی کرتے ہیں اور اپنے اپنے طریقے سے تہوار بھی مناتے ہیں۔

ہندوستان کے سبھی تہوار ہمیں بھائی چارہ، محبت واخوت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا سبق دیتے ہیں۔ بسنت بھی ایک ایسا ہی تہوار ہے جو ہندو، سکھ، مسلمان اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے بہت ہی جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ یہ تہوار سردی کے آخری ایام میں پیڑ پودوں، کھیتوں کی ہریالی کے دنوں میں منایا جاتا ہے۔ اس میں لوگ نئے نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ مٹھائیاں کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ گھروں کو رنگ برنگے پھولوں سے سجاتے ہیں اور جگہ جگہ بسنت کا جشن مناتے ہیں۔ بسنت کا تہوار اتحاد و یک جہتی کی ایک روشن علامت ہے۔ بسنت کا لفظ کانوں میں پڑتے ہی رنگ برنگے پھولوں کی خوشبوؤں سے ذہن معطر ہونے لگتا ہے۔ ہر طرف کھلے ہوئے پھول بہت ہی سہانا منظر پیش کرتے ہیں۔ ہم ان کھلتے ہوئے پھولوں کا استقبال بسنت منا کر کرتے ہیں۔

بسنت کے تہوار سے ایک اور روایت جڑ گئی ہے وہ ہے پتنگ بازی۔ ویسے تو یہ چین سے شروع ہوئی تھی لیکن اب دنیا کے بیشتر ملکوں اٹلی، انڈونیشیا، جاپان، فرانس، امریکہ، ملیشیا، آسٹریلیا، ڈنمارک میں پتنگ بازی کا سلسلہ نہایت جوش وخروش سے چل رہا ہے۔ پاکستان اور ہمارے ملک میں تو پتنگ بازی کے خصوصی میلے بھی لگتے ہیں۔ ڈنمارک میں مختلف ممالک کے پتنگ باز اکٹھا ہوتے ہیں اور رنگ برنگی انوکھی پتنگوں کی نمائش بھی لگائی جاتی ہے۔ ہمارے ملک کی ریاست گجرات میں بڑے پیمانے پر پتنگ بازی کی جاتی ہے جس میں بیرون ممالک کے سیاح بھی شرکت کرتے ہیں اور یہ میلہ تین دنوں تک چلتا ہے۔

پیارے دوستو! پتنگ بازی برا شوق نہیں ہے۔ لیکن پتنگ بازی کے مقابلے نے ادھر کچھ برسوں میں نہایت خطرناک صورت اختیار کرلی ہے۔ مانجھے اور تیز دھات سے بنے دھاگے سے دنیا بھر میں سیکڑوں افراد اپنی جان گنوا چکے ہیں۔ ننھے منے معصوم بچے اور پرندے بھی جاں بحق ہوچکے ہیں۔ یہی سلسلہ جاری رہا تو نہ جانے اور کتنی جانیں جائیں گی اس لیے بچو! ہمیں یہ خاص خیال رکھنا ہوگا کہ ہمارا جوش اور جنون کسی اور کی پریشانی کا سبب نہ بن جائے۔ اگر آپ بھی پتنگ بازی کرتے ہیں تو تیز دھات والے دھاگے کے استعمال سے بچیں۔

دوستو! نئے سال کا دوسرا شمارہ حاضر ہے۔ اس میں آپ کو نئے نئے موضوعات پر تحریریں پڑھنے کو ملیں گی۔ پتنگ بازی کی تاریخ پر ایک مضمون بھی شامل کیا گیا ہے جو یقیناً آپ کو پسند آئے گا۔ اس کے علاوہ مزے مزے کی کہانیاں اور نظمیں بھی اس شمارے کا حصہ ہیں۔

قومی اردو کونسل نے حال ہی میں بچوں کے لیے کہانیوں کی نہایت دلچسپ باتصویر کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ کتابیں بچوں کے معتبر ادیبوں نے تحریر کی ہیں۔ ہم اس شمارے سے ان کتابوں سے منتخب کہانیوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کررہے ہیں۔ یقین ہے کہ یہ سلسلہ آپ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا!

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

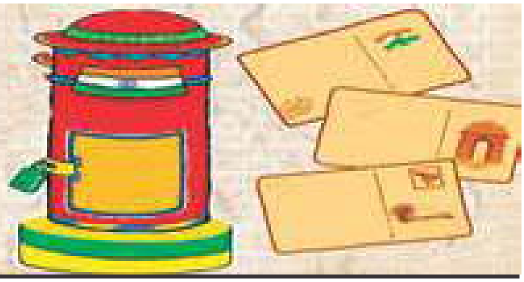

رسالے میں نئے دور کے اذہان اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے دلچسپ سائنسی اور معلوماتی مضامین کی اشاعت کریں۔ آپ شائع کریں گے تو ہمیں نئی چیزیں لکھنے کا حوصلہ ملے گا۔ بچوں کی مختصر تحریروں کو بھی جگہ دیں تاکہ اسکول اور کالج سے نئے لکھنے والے نمائندگی کرسکیں۔ لکھنے والوں کی تصویر، ای میل اور فون نمبر ضرور درج کریں۔

*بچوں کی مختصر تحریریں ننھے فنکار کالم کے تحت شائع ہوتی ہیں۔ (ادارہ)

محمد زاہد، بنگال

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں پہلی بار لکھ رہا ہوں۔ میں ماہنامہ امنگ، ہلال، نور، پیام تعلیم بھی پڑھتا ہوں۔ لیکن اُن سب میں مجھے بچوں کی دنیا بہت پسند آئی۔ رنگین صفحے، کم قیمت، اچھی کہانیاں، مزے دار لطیفے، اس رسالے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

عاصم رضا مقصود اختر، ڈومن پورہ مئوناتھ بھنجن (یوپی)

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' گذشتہ چند ماہ سے باقاعدگی سے موصول ہو رہا ہے۔ دراصل یہ میرے والد ڈاکٹر تحسین فراقی کے نام بھیجا جاتا ہے جسے ہم سب اہل خانہ بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' کے پس ورق پر بچوں کا ادب کے عنوان سے کچھ کتب کے نام نظر آتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے بچے ان کتب کا مطالعہ بھی کرسکیں۔

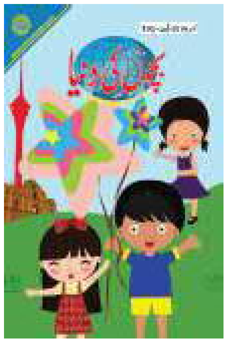

یہاں اردو کے مقابلے میں انگریزی کو بے حد اہمیت دی جاتی ہے اور اردو کا مستقبل بہت خوش افزا نظر نہیں آتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اردو کا چلن عام کریں، اس کو فروغ دیں اور اس کی اہمیت کو دوچند کریں۔

طیبہ تحسین فراقی، 374، جی 4، واپڈا ٹاؤن، لاہور، پاکستان

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ہمارے گھر کے بچوں میں بے حد مقبول ہے۔ کم پیسے میں دیدہ زیب، رنگین اور خوب صورت چھپائی والا رسالہ، بچوں کا دوست بن گیا ہے، مہینہ ختم نہیں ہوتا کہ نئے شمارے کی تلاش شروع ہو جاتی ہے اور تقاضہ بڑھ جاتا ہے۔

گذشتہ شمارہ ہی کیا ہر شمارہ ہی، بچوں کو اپنا دیوانہ بنائے ہوئے ہے، بات صرف یہ ہے کہ بڑے دلچسپ مضامین اور نہایت مزے دار کہانیاں، ہر شمارے کی زینت ہوتی ہیں اور سونے پر سہاگہ یہ کہ تصاویر کی موجودگی، کہانیوں کو نہ صرف پڑھنے میں بلکہ اُسے مہینوں یاد رکھنے میں مدد کرتی ہیں۔

خیر سے نومبر کا شمارہ قدرے تاخیر سے ملا، تاہم اپنی کہانیوں اور معلوماتی مضامین اور نہایت دلچسپ تصاویر کی بنا پر، ابھی تک گشت میں ہے۔

نذیر احمد یوسفی، اردو دربار، رحمانیہ اسکول اسٹریٹ، آسنسول (مغربی بنگال)

اللہ جل جلالہٗ

سجا کر زمیں آسماں ہر طرف
بسائے مکیں و مکاں ہر طرف
ہیں چاند اور سورج ستارے اسی کے
اسی کے ہیں دریا رواں ہر طرف
اندھیرے میں بکھرائے وہ چاندنی کو
وہ روشن کرے کہکشاں ہر طرف
دے پیڑوں کو رونق سجا کر پھلوں سے
گلوں سے بھرے گلستاں ہر طرف
دکھائی نہ دے وہ کسی کو کہیں بھی
مگر پائیں اس کے نشاں ہر طرف
زمیں آسماں، اس میں مخلوق ساری
کریں حمد اس کی بیاں ہر طرف
شکیل اس کا احسان ہے جو کرے یوں
کرم کی گہر باریاں ہر طرف

Shakeel Ahmad
Vijay Nagar, Kasamba Road
Malegaon (Maharashtra)

ریحان کوثر

پتنگ اور جشنِ بہاراں

بچو! جب ہماری زمین دلکش پھولوں اور آسمان رنگ برنگی پرکشش پتنگوں سے بھر جائے تو سمجھ لو بسنت کا آغاز ہو چکا ہے۔ بسنت کے تہوار کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ روایات کے مطابق یہ تہوار موسم بہار کے استقبال کے لیے منایا جاتا ہے۔ جب موسم سرما کی سرد اور خشک ہوائیں رخصت ہو رہی ہوتی ہیں اور دھوپ کی ہلکی ہلکی گرمی اور ہلکی ٹھنڈی ہوا بڑی فرحت بخش محسوس ہوتی ہے، نئی نئی کونپلیں کھل رہی ہوتی ہیں اور ہر طرف سبزہ سا بچھا نظر آتا ہے، بسنت پنچمی کا یہ تہوار ملک بھر میں بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ بچے خوب پتنگیں اڑاتے ہیں۔ گھر میں مٹھائیاں بنتی ہیں۔ ہندوستان ہی نہیں، پاکستان میں بھی یہ تہوار اسی جذبہ و جنون کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اردو دنیا میں اس تہوار کو 'جشنِ بہاراں' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ہندوستان میں کئی جگہ بسنت پنچمی کو شری پنچمی بھی کہا جاتا ہے۔ اس روز زمین پر بسنت پنچمی اور آسمان میں پتنگوں کا میلہ لگتا ہے۔ اتنا ہی نہیں، بسنت کے آتے ہی زمین اور بھی خوبصورت نظر آتی ہے۔ ہر طرف چھوٹے بڑے خوبصورت پھول ہی پھول دکھائی دیتے ہیں۔ یہ برصغیر کا موسمی تہوار ہے اور اس کا کسی مذہب کے ساتھ تعلق جوڑنا ہرگز بھی مناسب نہیں ہے۔

تاریخِ عالم میں پتنگ بازی پہلے پہل 200 قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ جب چین کے ایک سپہ سالار ہان سینگ نے جنگی کاموں کے لیے پتنگ اڑائی تھی۔ وہ اپنے دشمن کے ایک شہر کے باہر مورچہ سنبھالے بیٹھا تھا اور اسے شہر کے اندر جانا تھا۔

اس نے ایک سرنگ کھود کر اندر جانے کی کوشش کی لیکن سرنگ کی اصل لمبائی سے وہ ناواقف تھا اس لیے اس نے ایک کاغذ میں کچھ تنکے باندھ کر اڑائے۔ اتفاق سے ہوا بھی اسی طرف بہہ رہی تھی۔ یہ کاغذ اڑا اور مطلوبہ مقام تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے کاغذ کے پہنچنے کے مقام تک دھاگے کو ناپ لیا اور سرنگ کھودنے میں مصروف ہوگیا۔ اس بارے میں محمد ارشد قریشی لکھتے ہیں:

''یہی دنیا کی پہلی پتنگ تھی جو ایک جنگی مقصد حاصل کرنے کے لیے اڑائی گئی تھی۔ پھر قدیم چین میں پتنگ سازی فوجی استعمال کے لیے کی جانے لگی جس میں فوج کا جاسوسی کا کام بھی تھا۔ اپنے ہی فوجیوں کو ایک پڑاؤ سے دوسرے پڑاؤ تک پیغام رسانی اور اپنے ساتھیوں کو اپنی پوزیشن بتانے کے لیے پتنگیں اڑائی گئیں اور حیران کن بات یہ ہے کہ چھوٹے ہتھیار تک ایک جگہ سے دوسری جگہ ان پتنگوں سے پہنچائے گئے۔''

پتنگیں اُڑانے کے مختلف طریقوں کا تذکرہ سب سے پہلے 1282 میں مشہور زمانہ سیاح مارکو پولو نے اپنے سفرنامے میں کیا۔ مارکو پولو نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سیاحت میں گزارا اور اپنی سیاحت کے دوران اس نے مختلف ملکوں میں پتنگ بازی کے حوالے سے جو کچھ دیکھا یا سنا، اُن سب کا تذکرہ اس نے بھرپور انداز میں کردیا۔

پتنگ بازی کا رواج آج سے تقریباً 2500 سے 3000 سال پہلے چین میں شروع ہوا۔ ہندوستان میں پتنگ بازی کا شوق ہزاروں سال پرانا ہے۔ روایات کے مطابق مقدس تحریروں کی تلاش کے دوران چین کے بدھ مت پیروکار کے ذریعے پتنگ بازی کا شوق ہندوستان پہنچا۔ ایک ہزار سال پہلے پتنگوں کا ذکر سنت نامیہ کے گیتوں میں بھی درج ہے۔ مغل بادشاہوں کے دورِ حکومت میں تو پتنگوں کی شان ہی نرالی تھی۔ مغل دربار میں پتنگ بازی کا ایسا خمار تھا کہ بادشاہ اور شہزادے اس کھیل کو بڑی دلچسپی سے کھیلا کرتے تھے۔ اس وقت پتنگوں کے پیچ لڑانے کے مقابلے منعقد کیے جاتے تھے اور جیتنے والے کو بڑا انعام بھی ملتا تھا۔

ماضی میں بادشاہ، مہاراجے بھی پتنگیں اُڑاتے رہے، بعض لوگ تو مغل شہنشاہوں سے بھی منسوب کرتے ہیں کہ وہ پتنگیں اُڑاتے رہے۔ اس سلسلے میں ایک روایت مغل شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر سے جا ملتی ہے۔ بہرحال ماضی قریب کے نواب مہاراجے ضرور اس شوق کی سرپرستی کرتے رہے ہیں، لکھنؤ اس میں سرفہرست تھا۔ مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو بھی پتنگ بازی کا بہت شوق تھا۔ مغلیہ دور کے بعد لکھنؤ، رام پور، حیدرآباد وغیرہ شہروں کے نوابوں میں بھی اس کا خمار سر چڑھ کر بولنے لگا۔ انہوں نے اسے 'بازی' کی شکل دے دی۔ انھوں نے اپنی پتنگ بازی کو غربت دور کرنے کا ذریعہ بنایا۔ یہ لوگ پتنگوں میں اشرفیاں باندھ کر اڑایا کرتے تھے اور آخر میں پتنگ کی ڈور توڑ دیتے تھے، تاکہ گاؤں کے لوگ پتنگ لوٹ سکیں۔ واجد علی شاہ پتنگ بازی کے لیے ہر سال اپنی پتنگ باز ٹولی کے ساتھ پتنگ بازی کے مقابلے میں دہلی آتے تھے۔ آہستہ آہستہ نوابوں کا یہ شوق عام لوگوں کی زندگی کا اہم حصہ بنتا گیا۔ ملک میں بعض خاندان تو ایسے بھی موجود ہیں جن کا پیشہ ہی یہ ہے اور ان کے آباواجداد مہاراجوں کے لیے پتنگیں بناتے رہے اس لیے اب ان کی خدمات بڑے مہنگے داموں حاصل کی جاتی ہیں۔

سال 1927 میں 'گو بیک' لکھی ہوئی پتنگوں کو آسمان میں اڑا کر 'سائمن کمیشن' کی مخالفت کی گئی تھی۔ آزادی کی خوشی کو

ظاہر کرنے کا ذریعہ بھی پتنگ کو بنایا گیا۔ ہندوستان میں اس شوق کو اب ایک آرٹ کا درجہ حاصل ہو گیا ہے اس لیے یہاں پتنگیں بنانے والے کاریگر لاکھوں میں ہیں اور اُن کا یہ آبائی پیشہ ہے۔ اتر پردیش میں 9 لاکھ، مغربی بنگال میں 7 لاکھ اور گجرات میں 3 لاکھ کاریگر ہیں۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ آج کی پتنگوں کی ساخت اور رنگ بالکل مختلف ہیں۔ آج مختلف سائزوں، رنگوں، اشکال کی پتنگیں دستیاب ہیں۔ بسنت میلے کا انعقاد برصغیر کی ثقافتی روایات کا حصہ ہے۔

آج بھی چین میں پتنگ اڑانے کا شوق قائم ہے۔ وہاں ہر سال 9 ستمبر پتنگ تسو کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن چین کی تقریباً پوری عوام پورے جوش و خروش کے ساتھ پتنگ بازی کے مقابلہ میں حصہ لیتی ہے۔ امریکہ میں ریشمی کپڑے اور پلاسٹک سے بنی پتنگیں اڑائی جاتی ہیں۔ وہاں جون کے مہینے میں پتنگ بازی کے مقابلوں کا انعقاد ہوتا ہے۔ جاپانی بھی پتنگ بازی کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ پتنگ اڑانے سے دیوتا خوش ہوتے ہیں۔ وہاں ہر سال مئی کے مہینے میں پتنگ بازی کے مقابلے منعقد ہوتے ہیں۔

امریکہ میں 1981 میں فرینکلن انسٹیٹیوٹ کے زیر اہتمام پتنگ بازی کا اہتمام کیا گیا جس میں 145 پتنگیں بیک وقت اُڑائی گئیں۔ سن 1986 میں 27 کروڑ روپے کی پتنگیں اُڑائی گئیں اور ہر سال یہ اعداد و شمار بڑھ رہے ہیں۔ اب اربوں روپے کی پتنگ بازی ہو رہی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ بلندی تک پتنگ اڑانے کا اعزاز امریکہ کے پاس ہے، امریکہ میں 5400 میٹر بلندی تک پتنگ اُڑائی گئی۔ جاپانیوں نے ایک ریکارڈ قائم کیا جو حیرت انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد دلچسپ بھی ہے۔ 3000 کاغذ کی شیٹوں کی مدد سے ایک بہت بڑی پتنگ تیار کی گئی جس کو 100 آدمیوں نے مل کر اُڑایا، اس پتنگ کو خاصی بلندی پر اُڑایا گیا اور 2500 ٹن وزن بھی اس کے ساتھ منسلک تھا۔

سائنس دانوں نے بھی پتنگ اُڑا کر مختلف تجربات کیے اور سائنسی قوانین وضع کیے۔ بینجمن فرینکلن نے پتنگ اُڑا کر آسمانی بجلی حاصل کرنے سے متعلق تجربہ کیا۔

اسمگلر بھی غیر قانونی طور پر پیرس میں ممنوعہ شراب مہیا کرنے کے لیے بڑی بڑی پتنگوں کا استعمال کرتے رہے۔ پیرس شہر کی فصیلوں سے شراب کی بوتلیں پتنگوں کے ذریعے گزار دی جاتی تھیں۔ فرانسیسی فوج بھی بیرکوں سے میدان میں سگنل بھیجنے کے لیے پتنگوں کا استعمال کرتی رہی ہے۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ دیوی سرسوتی کی پیدائش بسنت پنچمی

کے دن ہوئی تھی اس لیے اس روز دیوی سرسوتی کی پوجا ہوتی ہے۔شری کرشن نے اسی دن دیوی سرسوتی کی پوجا کی تھی، جس کے اثرات سے وہ سولہ اصطلاحی سے معمور ہوئے۔ بہت سے لوگ، جیسے خاص طور سے طالب علم، استاد، آرٹسٹ، مصنف، سائنس داں وغیرہ اس دن خاص طور پر دیوی پوجن کرتے ہیں۔ پنڈت مدن موہن مالویہ نے سال 1916 میں اسی دن بنارس ہندو یونیورسٹی کی بنیاد رکھی تھی۔

کشمیر میں پتنگ بازی موسم بہار میں کی جاتی ہے جبکہ پنجاب میں بیساکھی کے دوران اس کو تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اتراکھنڈ کی خاصیت ہے، وہاں ایک کے بعد ایک تہوار سال بھر منائے جاتے ہیں۔ بسنت پنچمی کے دن یہاں کے مندر انتہائی خوبصورت طریقے سے سجائے جاتے ہیں۔ بسنت پنچمی منانے کا مطلب یہاں موسم بہار کا استقبال کرنا ہے۔ یہاں زمین کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ جو، مکئی، گندم کے بالے گھر کے دروازوں، کھڑکیوں پر اور مندر میں لگاتے ہیں اور دیے جلائے جاتے ہیں۔

ہریانہ میں پتنگ اڑا کر بسنت پنچمی منائی جاتی ہے۔لہلہاتے کھیتوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ بسنت پنچمی کو بنگال میں سرسوتی پوجا کرکے منایا جاتا ہے۔ بنگال میں آج بھی زیادہ تر بچوں کو اس دن ہی اسکول میں داخلہ دلایا جاتا ہے۔ بسنت پنچمی آتے ہی امتحانات کے دن بھی قریب آجاتے ہیں۔ اس دن کاپی، کتاب، قلم وغیرہ کی پوجا کی جاتی ہے۔ قدیم زمانہ میں بادشاہ اور حکمران اس دن مشاعرہ وغیرہ منعقد کرتے تھے اور ایوارڈ تقسیم کرتے تھے۔

پنجاب اور شمالی بھارت میں لوگ سرسوں کی فصل کے لہلہاتے کھیت دیکھ کر مگن ہو اٹھتے ہیں۔ پیلے پھولوں سے سجاوٹ کی جاتی ہے۔ پیلے پھول ایک دوسرے کو تحفہ کے طور پر بھی دیے جاتے ہیں۔ بھنگڑا کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر لوگ پیلے رنگ کا لباس پہنتے ہیں۔ میٹھے پیلے چاول پکائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ پیلے لباس سے اپنا سر ڈھنکتے ہیں، تو کچھ زرد تلک پیشانی پر لگاتے ہیں۔ زعفران کی کھیر بھی بنائی جاتی ہے۔ بہار اور اڑیسہ میں اسے سرا پنچمی کہا جاتا ہے۔ اس دن وہاں لوگ حل کی پوجا کرتے ہیں اور سردی کے موسم کے بعد کھیتی کے لیے زمین کو تیار کرتے ہیں۔ گجرات میں بسنت پنچمی میں خاص طور سے پتنگوں کا میلہ لگتا ہے۔ نیلا آسمان مختلف سائز کی رنگ برنگی پتنگوں سے بھر جاتا ہے۔ پتنگ اڑاتے ہوئے نغمے بھی گائے جاتے ہیں اور پتنگ اڑانے کے مقابلے منعقد ہوتے ہیں۔

لیکن گذشتہ ربع صدی کے دوران جس ملک میں یہ تفریح ایک صنعت کی شکل اختیار کر گئی ہے، وہ ہے ہندوستان، جہاں اب لاکھوں افراد کا روزگار 'پتنگ کاغذ' بانس، دھاگے اور مانجھے سے وابستہ ہے لیکن اب اس شغل کو بھی کچھ غیر قانونی طریقوں کے استعمال اور ان سے انسانی جانوں کے ضائع ہونے کے بعد بہت سی پابندیوں کا سامنا ہے جس سے بسنت کے موسم کی رونقیں ماند پڑتی جا رہی ہیں۔

مضمون کی تیاری میں ان تحریروں سے مدد لی گئی:
1۔ بسنت، برصغیر کا موسمی تہوار: محمد جابر سعید بدر
2۔ پتنگ بازی کی دلچسپ تاریخ: محمد ارشد قریشی، ڈان نیوز، 16 جون 2015
3۔ بسنت منائیں، پتنگ اڑائیں: سنیتا تیواری

■

Raihan Kausar
Dr. Shaikh Bunkar Colony, Kampti - 441001
Distt.: Nagpur (Maharashtra)

محمد وکیل

نظم

ماں کی پہچان

خوش نصیب آپ ہو ماں ملی ہے — دل کی ایسی کلی کم کھلی ہے
ماں میسّر نہیں جس کو سوچو — کیفیت اس کے دل سے ہی پوچھو
ماں نہیں تو نہیں کچھ جہاں میں — زندگی جیسے گزری خزاں میں
علم اسکول سے مل گیا ہے — تربیّت گھر میں ماں کا صِلہ ہے
ماں تو انمول ہستی ہے بچّو! — تیرے ہر دکھ میں رہتی ہے بچّو!
ایک جنّت وہاں عرش پر ہے — ایک جنّت یہاں فرش پر ہے
ماں کے قدموں کے نیچے ہے جنّت — ایک اولاد ہے ماں کی منّت
ماں سے محروم ہوکر بھی جینا — ہو بِنا جام کے جیسے مینا
ماں کی بانہوں کے جھولے میں جھولو — کل ضعیفی میں ان کو نہ بھولو
دین و دُنیا ہے خدمت سے ماں کی — ہوگی بخشش ہی تب تیری جاں کی
بے غرض ماں کی ممتا رہی ہے — ماں کی پہچان تو بس یہی ہے
تربیت کے لیے ڈانٹتی ہے
فکر میں رات بھر جاگتی ہے

■

Md. Wakeel C/o Ahmed Wakeel Aleemi
Holding No.5, B.L No.4
P.O.: Kankinara, North - 24
Parganas - 743126 (West Bengal)

لال قلعہ کا قصہ

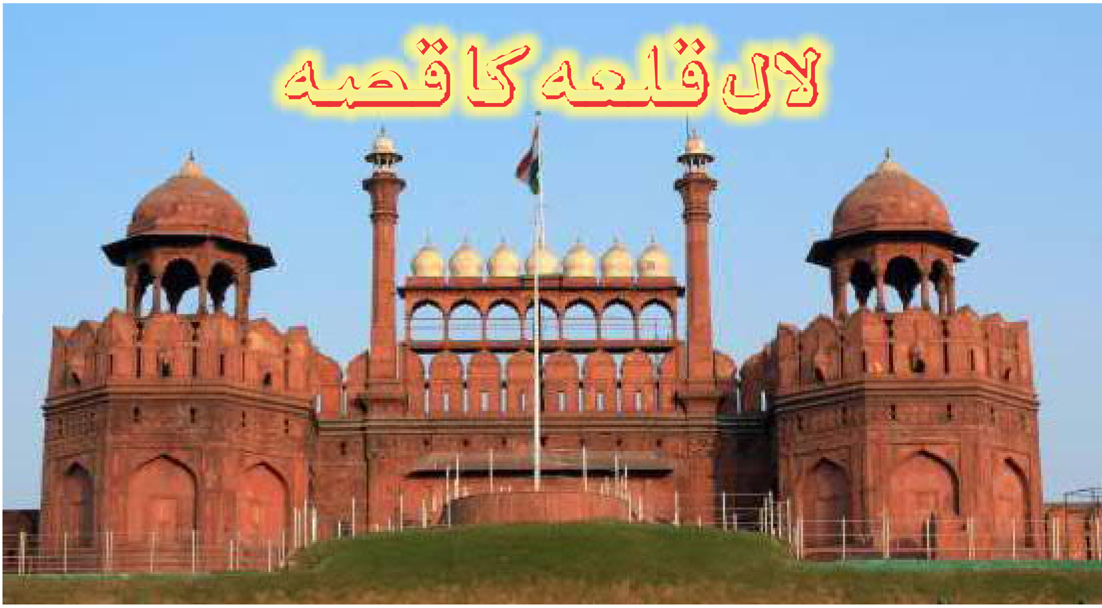

آپ جانتے ہیں نا! لال قلعہ دلّی کی شان اور دیش کی عظمت کا نشان ہے۔ شاید آپ میں سے کچھ نے لال قلعے کو گھوم پھر کر دیکھا بھی ہو لیکن اپنی دادی، نانی سے اس کی کہانی نہ سنی ہوگی۔ ہاں بھئی ہاں! اس کا بھی ایک قصہ ہے۔

ایک بادشاہ تھا۔ نام تھا اس کا شہاب الدین شاہ جہاں۔ آگرے میں بیٹھا ہوا ہندوستان پر حکومت کرتا تھا۔ جب اس کی چہیتی بیگم ممتاز محل اسے چھوڑ کر دنیا سے چلی گئی تو وہ اداس رہنے لگا۔ تنہائی اسے کاٹنے لگی۔ پھر آگرے کی گرمی اور گھٹن بھی اسے پریشان کرنے لگی۔ اس لیے اس نے دہلی کو راجدھانی بنانے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا مکرم خاں میر کو حکم دیا گیا کہ وہ دہلی میں لال پتھر کا قلعہ تیار کرنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرے۔

آج تو دہلی بھری پری اور بہت گھنی ہے مگر اُن دنوں اجاڑ سی تھی۔ کافی تلاش کے بعد مکرم خاں کو تال کٹورہ اور اس کے آس پاس کی زمین پسند آئی۔ وہاں پانی کی سہولت تھی اور ہریالی بھی ڈیرہ جمائے ہوئی تھی۔ دو مشہور راج مستریوں استاد ہیرا اور استاد حامد کو قلعہ تعمیر کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ دونوں کاریگر واقعی اپنے کام میں استاد تھے اور تعمیری فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ آج کل جیسے ڈگری والے انجینئر نہیں تھے۔ انھیں لال پتھر کی عمارت کے لیے یہ جگہ پسند نہیں آئی۔ انھوں نے وجہ بیان کی کہ گرمی کے موسم میں جب تال سوکھ جائے گا تو قلعہ کی کھائی میں پانی بھرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ مٹی میں شورے کی مقدار بھی زیادہ ہے جس سے لال پتھر کے چٹخنے کا اندیشہ بنا رہے گا۔ پھر یہ ہوا کہ دوسری جگہ کی تلاش شروع ہوئی۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد ان عمارتی استادوں کو جمنا ندی کے کنارے شیر شاہ سوری کے بیٹے سلیم شاہ کے بنوائے سلیم گڑھ کے پاس کی جگہ پسند آئی اور یہیں قلعہ بنانے کی صلاح دی کیونکہ یہاں زمین میں شورہ نہیں تھا اور ندی کنارے ہونے کی وجہ سے عمارت میں ٹھنڈک بھی خوب رہ سکے گی۔

1639 میں نیو کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔ دھول پور سے لال پتھر آنے لگا۔ دیش بھر کے راجا، نواب، امرا، وجاگیردار قلعہ کی تعمیر کے لیے ضروری سمان بھیجنے لگے۔ کھودی گئی بنیادیں جب بھر دی گئیں تو دونوں کاریگر ہیرا اور حامد اچانک بغیر اطلاع لاپتہ ہوگئے۔ قلعہ کی تعمیر کا کام ٹھپ ہوگیا۔ جگہ جگہ ان کی تلاش میں گھوڑے دوڑائے گئے، شاہجہاں کی طرف سے خصوصی عملہ ان کی کھوج میں لگایا گیا، ڈھنڈورا پٹوایا گیا مگر لاکھ جتن کے بعد بھی دونوں کا سراغ نہیں مل سکا۔ آخر کار بادشاہ نے ان دونوں کی گرفتاری کا فرمان جاری کردیا اور ان کی بازیافت کے لیے انعام بھی مقرر کیا گیا مگر سب کچھ بے سود۔ وہ تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوگئے تھے۔ ملتے بھی کیسے؟

پھر ایک دن اچانک ہی دونوں ایک ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ اپنی غیر حاضری اور گستاخی کی معافی چاہی۔ اپنی استادی کا اس طرح سکہ بٹھایا کہ ہم 'نیو' کو کچھ عرصہ کے لیے کھلا چھوڑ دینا چاہتے تھے تاکہ اسے ہر موسم کی ہوا لگ جائے، اسی لیے ہم لاپتہ ہوگئے تھے۔ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب قلعہ کی عمارت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ بادشاہ ان کے اس جواب باصواب سے مطمئن ہوگیا۔

قلعہ کے بنانے کی دیکھ بھال کا ذمہ عزت خاں کو سونپا گیا تھا لیکن جب اسے سندھ جانا پڑا تو علی وردی خاں کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی۔ اس نے تین سال میں قلعے کی دیواریں بارہ بارہ گز اونچی کروادیں، ان پر کنگورے بھی بنوا دیے، تین چوڑی اور گہری کھائیاں بھی کھدوادیں جن میں جمنا ندی کا پانی بھرا گیا۔ قلعے میں آنے جانے کے لیے شہر کی طرف دو دروازے بنائے گئے۔ دریا کی طرف جانے والے راستہ پر بھی دروازے تعمیر کیے گئے۔ چاندنی چوک کی جانب کے لیے بنے دروازے کو لاہوری دروازہ اور فیض بازار کی جانب جانے والے کو کشمیری دروازے کا نام دیا گیا۔

یاد رہے کہ دہلی کا قدیم نام شہر پناہ تھا اور اس کے سات معروف دروازے تھے:

(1) دہلی دروازہ (2) ترکمان دروازہ (3) اجمیری دروازہ (4) لاہوری دروازہ (5) موری دروازہ (6) کشمیری دروازہ (7) کلکتہ دروازہ۔

شاہجہاں کا بسایا شہر شاہجہاں آباد تھا۔ دہلی اس سے کچھ دور ہی بسی تھی۔ اس لیے لال قلعہ کے اندرونی دروازے سے ہوکر ہی دہلی جایا جاسکتا تھا۔ دہلی کا یہ لال قلعہ نو سال میں بن کر تیار ہوا۔ شاہ جہاں آگرے سے دہلی آیا تو کلاں محل میں ٹھہرا جو لال قلعہ بننے سے پہلے اس کے ٹھہرنے کے لیے بنوایا گیا تھا۔ لال قلعہ میں پہلی بار جب شاہجہاں کی سواری داخل ہوئی تو اس کا بڑا بیٹا داراشکوہ چاندی کے سکے نچھاور کررہا تھا۔ قلعے کے اندر ہی لاہوری دروازے پر ایک دیوار ہے جسے گھونگھٹ یا گھوگھاس کہتے ہیں اسے اورنگ زیب نے بنوایا تھا تاکہ کسی کی نظر نہ لگے۔

لاہوری دروازے کو آخری مغل بادشاہ نے اس لیے تڑوادیا تھا کہ بھاری بھرکم مولا بخش نام کا ہاتھی ہودے سمیت اس میں سے نہیں نکل سکا تھا۔ مغلیہ حکومت کی شان وشوکت کا ایک عظیم الشان نمونہ اور جیتی جاگتی یادگار ہے لال قلعہ.....

■

Mukhtar Tonki
Kali Paltan Road,
Pul Mohd Khan
Tonk - 304001 (Rajasthan)

اسعداللہ

بینک کی کہانی

پیارے بچو! آپ نے بینکوں کے بارے میں تو خوب سنا ہوگا اور ہوسکتا کبھی اپنے بابا کے ساتھ بینک بھی گئے ہوں لیکن کیا کبھی آپ نے سوچا کہ ہماری زندگی میں بینک کی کیا اہمیت ہے اور اس کا سلسلہ کیسے شروع ہوا کیوں لوگ اپنے گھروں میں پیسہ نہ رکھ کر بینک میں جمع کر دیتے ہیں اور بینک میں بیٹھا آدمی کمپیوٹر کا ایک بٹن دباتا ہے اور بس آپ کے بابا کے پیسے بینک میں جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ایک چھوٹی سی کتاب میں جس کو Pass Book کہا جاتا ہے اس میں چھاپ کر ان کے حوالے کر دیتا ہے۔

دراصل اس کی کہانی یوں شروع ہوتی ہے گزرے ہوئے وقتوں میں لوگ اپنے روپے پیسے کو مہاجنوں کے یہاں رکھ دیتے تھے اور ضرورت پڑنے پر اس کے یہاں سے لے لیا کرتے تھے اور وہ مہاجن یا ساہوکار اس کے بدلے کچھ روپے سالانہ لے لیا کرتا تھا۔ مگر اس صورت میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوا کرتی تھی کہ اکثر لوگوں کے پیسے وہ مہاجن اینٹھ لیا کرتا تھا اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ کچھ مہاجن زیادہ پیسہ دیکھ کر بے ایمانی پر اتر جاتے تھے اور اپنی لال سی ڈائری جس میں وہ حساب و کتاب کیا کرتے تھے غائب بھی کروا دیتے تھے۔ ایسی صورت میں سب سے زیادہ نقصان غریبوں کو اٹھانا پڑتا تھا ایک تو بے چاروں کے پاس پیسہ نہیں۔ لیکن کسی طرح سے محنت مشقت کر کے جمع بھی کروا دیتے تھے تاکہ آگے چل کر وہ اپنی کسی ضرورت میں استعمال کر سکیں مثلاً بچوں کی تعلیم یا شادی بیاہ وغیرہ کے لیے۔ تو ان کے لیے بڑی پریشانی ہو جایا کرتی تھی۔

لیکن وقت گزرتا گیا اور زمانہ لگاتار ترقی کی طرف اپنا قدم بڑھاتا گیا جیسے مان لیجیے کہ آپ کے بابا پہلے سائیکل چلایا کرتے تھے اور آج موٹر سائیکل یا کار ان کے پاس ہے۔ اسی طرح سے پہلے کے لوگ دور دراز کا سفر کرنے کے لیے بیل گاڑی، یکہ، تانگہ کا استعمال کرتے تھے اور اب تو ریل گاڑی، میٹرو اور ہوائی جہاز سے سفر کیا جاتا ہے۔ آج ہم چاہیں تو صبح کا ناشتہ اپنے گھر پر کریں اور دوپہر کا کھانا کسی اور شہر میں کھائیں۔ یہ سب کچھ نئی ایجادات کی وجہ سے ممکن ہو سکا اور اسی کو ترقی بھی کہتے ہیں اور چاہیں تو ٹیکنالوجی کا دور بھی کہہ سکتے ہیں۔

بینکوں کی ترقی بھی کچھ اسی طرح سے ہوئی ہے۔ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ پیسہ پہلے مہاجنوں، سیٹھوں یا ساہوکاروں کے یہاں رکھ دیا جاتا تھا اور اب بینکوں میں رکھا جاتا ہے۔ ہم آپ کو

بتاتے چلیں کہ بینک کا لفظ جو ہم بولتے ہیں یہ اطالوی زبان کا لفظ "Banco" سے نکلا ہے پھر انگریزی زبان میں اسے بینک کہا جانے لگا۔ اس دنیا کا سب پہلا بینک 'سویڈن بینک' ہے اور اسی بینک نے سب پہلے 1661 میں کاغذی نوٹ جاری کیے۔ پھر بینک آف انگلینڈ کا نمبر آتا ہے اس بینک نے 1697 میں اپنے یہاں نوٹ جاری کیے۔ پھر دنیا کے دوسرے بینکوں نے دیکھا دیکھی اپنے ملک میں کاغذی نوٹ جاری کرنا شروع کیا۔ اب آپ سے کوئی پوچھے تو آپ فوراً اسی بینک کا نام بتائیے گا وہ آپ کی جنرل معلومات G.K کی داد دے گا۔ اسی طرح یہ بات بھی آپ یاد رکھیے کہ پہلے یہ نوٹ ہاتھ سے لکھے جاتے تھے کیونکہ اس وقت تک چھاپے خانے بہت کم تعداد میں تھے۔

عزیز بچو! اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں بینک کی شروعات کیسے ہوئی؟ ہے نا.....! تو لیجیے بھئی آپ نے یہ بات تو سنی ہی ہوگی کہ ہمارے ملک کو پہلے 'سونے کی چڑیا' کہا جاتا تھا اس کی وجہ تو یہی ہے نا کہ یہاں پر سونے اور ہیرے جواہرات بہت کثرت سے پائے جاتے تھے اور کوہ نور ہیرے سے کون واقف نہیں ہوگا جو کہ آج ملکہ برطانیہ کے تاج میں سجا ہوا رہتا ہے وہ بھی ہمارے ملک کا ہی ہے۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ وہاں کیسے پہنچا تو تھوڑا سا آپ کو بتاتا چلوں ویسے آپ بڑے ہوکر جب ہندوستان کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو پتہ چل ہی جائے گا لیکن واقعہ یہی ہے کہ انگریز ہمارے پیارے ملک میں تجارت کی غرض سے آئے تھے پھر یہاں کے حکمراں بن بیٹھے اور یہاں کی دولت کو اپنے ملک میں بھیجنا شروع کردیا اور اس طرح لین دین کا ایک بڑا کاروبار شروع ہوگیا اور یہی وجہ بنی اس ملک میں بینکوں کی شروعات کی۔ ورنہ انگریزوں کے آنے سے پہلے وہی پرانا رواج تھا جو ابھی آپ نے اوپر پڑھا ہے۔ پہلے پہل تو انھوں نے ایک گھر بنایا جس میں وہ ایک دوسرے سے لیے ہوئے پیسوں کو جمع کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر وہ پیسہ لے لیا کرتے تھے۔ اس طرح کے گھروں کو اس وقت مرچنٹ ہاؤس کہا جاتا تھا۔ پھر جہاں جہاں ان کی حکومت بنتی گئی وہاں انگریزوں نے اپنے سکے (Coins) چلانے شروع کردیے اور اس طرح کئی صوبوں میں ان کی حکومت قائم ہوگئی۔ اب ضرورت پڑی بڑے پیانے پر پیسوں کی لین دین کی۔ کیوں کہ اس کے بغیر گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ اس لیے ان لوگوں نے ایک بڑا بینک قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور مدراس جو کہ اب چنئی کے نام سے مشہور ہے وہاں پر 1683 میں ایک بینک کھولا گیا۔ اس کے بعد 1742 میں گورنمنٹ بینک آف انڈیا کے نام سے ایک اور بینک کھلا۔ پھر 1770 میں کولکاتہ جو آج مغربی بنگال کی راجدھانی ہے بینک آف ہندوستان کے نام سے ایک اور بینک کھولا گیا اور یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا یہاں تک کہ 1850 میں ہمارے ملک کے اندر گیارہ بینک کھل چکے تھے اور فروری 2015 کی ایک رپورٹ کے مطابق ہمارے ملک کے اندر کل ترانوے (93) کمرشیل بینک (Commcrical Bank) اور ستائیس (27) پبلک سیکٹر بینک (Public Sector) ہیں جب کہ انیس (19) بینکوں کو حکومت نے نیشنل بینک کا درجہ دے رکھا ہے۔

بچو! ہم آپ کو بتادیں کہ بینکوں کی کل تیرہ قسمیں ہوتی ہیں جن میں سے ہم اس کہانی کے اندر کچھ بینکوں کے بارے میں آپ کو بتانا چاہیں گے باقی آپ جب اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے تو آپ کو سارے بینکوں کے بارے میں معلومات دی جائے گی اور اگر چاہیں تو اپنے والدین یا اپنے اسکول کے

اساتذہ سے بھی معلومات حاصل کرسکتے ہیں:

1. کامرشیل بینک کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ تر حصہ دار اس بینک سے ادھار لے کر اپنا کام کاج شروع کرتے ہیں اور اپنی آمدنی کے مطابق پھر رفتہ رفتہ اس بینک کو لوٹا دیتے ہیں۔
2. سیونگ بینک کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے پیسہ کو ایک مقررہ مدت تک کے لیے رکھ سکتے ہیں اور وہ مدت پوری ہوجائے تو جب چاہیں نکال سکتے ہیں لیکن آج کل ایک قانون کے مطابق اس کے اندر سے کبھی بھی پیسہ نکالا جاسکتا ہے۔
3. کمیونٹی بینک کا مطلب ہے کسی کمیونٹی یا سماج کا بینک۔ جس میں چھوٹی موٹی رقمیں جمع ہوجاتی ہیں اور جب چاہیں بلا کسی رکاوٹ یا بندش کے نکال سکتے ہیں۔
4. پرائیوٹ بینک کا مطلب ہے ذاتی بینک اگر کسی کو اس میں اپنا کھاتہ کھلوانا ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک ملین امریکی ڈالر چاہیے اور ابھی کچھ دنوں پہلے سوئس بینکوں کے بارے میں تو آپ نے سنا ہی ہوگا اسی کو آف شور بینک Off Shore Bank بینک بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے بینکوں میں کھاتہ اکثر کاروباری لوگ ہی کھلواتے ہیں۔

بچو! کہانی ختم کرنے سے پہلے Pass Book کے اندر لکھی ہوئی کچھ اصطلاحوں کے بارے میں ہم آپ کو بتانا چاہیں گے جس سے کہ آگے چل کر آپ کو کوئی دشواری پیش نہ آئے اور آپ بہتر طریقے سے ان اصطلاحوں کو سمجھ سکیں۔

Account (کھاتہ): ایک مخصوص نمبر جس کے ذریعے بینک ہمارے تمام لین دین کا حساب رکھتا ہے۔

Balance Amount (بیلنس اماؤنٹ): اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے کھاتہ میں کل جمع رقم کتنی بچی ہے۔

Cheque (چیک): ایک خاص قسم کی رسید ہے جس کے ذریعے سے ہم پیسہ کہیں سے بھی نکال سکتے ہیں۔ اس کی کئی قسمیں ہیں جیسے Open Cheque (اوپن چیک)، Cheque Cross (کراس چیک)، Bearer Cheque (بیئرر چیک)، Traveller Cheque (ٹرویلر چیک) وغیرہ۔

Credit (کریڈٹ): اس کا مطلب ادھار لینا ہوتا ہے۔ کسی بھی کام کاج کے لیے جو پیسے نکالے جاتے ہیں ایک مقررہ مدت کے بعد پھر بینک کو واپس کرنا پڑتا ہے۔ آج بہت سارے تجارتی لین دین اسی کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔

Transfer (ٹرانسفر): وہ پیسہ یا رقم جو ایک اکاؤنٹ سے کسی دوسرے اکاؤنٹ میں بھیج دی جائے یا کسی کے کھاتہ سے دوسرے کے کھاتہ میں ڈال دی جائے۔

Transaction (ٹرانزیکشن): وہ رقم جو سیدھے طور پر بینک یا A.T.M سے نکالی جائے۔ کیا آپ کو پتہ ہے کہ A.T.M کا پورا نام (Full Form) کیا ہے؟ چلو ہم بتا دیتے ہیں Automated Teller Machine آٹومیٹڈ ٹیلر مشین۔

بچو! اگر ہمیں اپنے ملک میں ترقی لانی ہے اور چاہتے ہیں کہ سماج کا ہر فرد خوش حال رہے تو اس کے لیے ہمیں بینکوں کی اہمیت کو سمجھنا ہوگا۔ بغیر بینکوں کی اہمیت کو سمجھے ہوئے ہم ترقی نہیں کرسکتے۔ کیونکہ بینک ہماری روزمرہ کی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں اور یہ کسی بھی ملک کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی بھی ملک کا معاشی نظام انھیں بینکوں سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔

■

Asadullh C/o Mohd Mohsin
1444/45, Faiyaz Ganj, Azad Market
Old Delhi - 110006

بسم اللہ عدیم برہانپوری

آج ہمارے ترقی یافتہ، صنعتی دور میں پیشہ ورانہ لحاظ سے عوام نے حفظانِ صحت کی خاطر نئے نئے پیشے اختیار کیے ہیں۔ ان پیشوں کے انھوں نے بڑے خوب صورت نام بھی رکھے ہیں۔ جیسے کہ آفتابی غسل خانہ، اسٹیم باتھ سینٹر، مساج خانہ اور بیوٹی پارلر وغیرہ وغیرہ۔ یہ غسل خانے ہر چھوٹے بڑے شہروں میں اپنی خدمات انجام دیتے ہیں اور مشہور بھی ہیں۔

بچو! سمندروں کا مطالعہ کرنے والوں نے جہاں بہت سارے دلچسپ اور معلوماتی سائنسی انکشافات کیے ہیں ان میں سے ایک صفائی کرنے والی مچھلیوں کا گروہ بھی ہے۔ اس کا انگریزی نام کلینر فش اور سائنسی نام Labroides dimidiatus ہے۔ یہ مچھلیاں بحرالکاہل، بحرِ ہند کی تہہ میں پائی جاتی ہیں۔ جسمانی بناوٹ ان کی بڑی سڈول اور کالی دھاریوں کی خوب صورت رنگت لیے ہوتی ہیں۔ کام کے وقت ان کا انداز ایک مشاق رقاصہ کی مانند ہوتا ہے اور یہ کام وہ تیرتے ہوئے انجام دیتی ہیں۔ اس لیے ان کا اس خوبی سے تیرنے کا انداز دیگر مچھلیوں کی بہ نسبت الگ اور مختلف ہوتا ہے۔ یہ ننھی ننھی چار پانچ انچ لمبی مچھلیاں اپنی طبعی عمر کے درمیان اپنی جنس اور موقع کے لحاظ سے حالات کے پیشِ نظر شکل و شباہت بھی بدل لیتی ہیں یعنی مادہ مچھلی نر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

کلینر فش کا یہ گروہ اپنی رہائش گاہ پر ہر چھ گھنٹے میں چھ سو مچھلیوں کی صفائی کا فرض نبھاتا ہے۔ جو مچھلیاں ان سے اپنا جسم، گلپھڑے، حلق، دانت صاف کراتی ہیں۔ ان میں بڑی خونخوار شکاری مچھلیوں کے علاوہ ان کی معاون طفیلی مچھلیاں بھی ہوتی ہیں لیکن قدرت کی حیرت زدہ کرنے والی یہ عجیب خوبی ہے کہ صفائی کی خدمت کرانے والی مچھلیوں میں سے کوئی ایک بھی کلینر فش کو نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ وہ تمام صفائی کے وقت نہایت شرافت کا ثبوت دیتی ہیں تاکہ صفائی گروہ کی ہر ایک مچھلی بے خوفی کے ساتھ بڑے اطمینان اور پرسکون انداز سے اُن خوف ناک جسیم شہیم مچھلیوں کی خدمت اپنی فنکارانہ مہارت سے بخوبی انجام دے سکیں۔

اب آخر میں آپ سبھی کی سائنسی معلومات اور دلچسپی کی خاطر یہ بھی تحریر کر دوں کہ ممبئی مرین ڈرائیو روڈ پر تارا پورے ایکورم میں ایک مچھلی خانہ موجود ہے۔ اس میوزم (نمائش گھر) میں ایک بڑی تعداد کلینر فش کی بھی ہے۔ ایکورم میں یہ مچھلیاں اپنے رقصِ تیراکی سے لبھاتے ہوئے سیاحوں کی نگاہوں کا ہمیشہ مرکز ہوا کرتی ہیں۔

■

Bismillah Adeem Burhanpuri
94/2, Sant Kabir Marg, Javehri Wada
Mhajna Peth ,Barhanpur - 450331 M.P

سالک جمیل براڑ

نظم

یاد آتا ہے بچپن

یاد آتا ہے بیتا بچپن ہنستا گاتا روتا بچپن
سکھ کی گہری نیند میں سوتا ماں کا راج دُلارا بچپن
آنگن آنگن گر گر پڑتا گھٹنوں کے بل چلتا بچپن
آسمان کے تارے گنتا گھر کی چھت پر لیٹا بچپن
ماں کے سینے کی دھڑکن میں ہر دم چلتا پھرتا بچپن
بارش کے پانی میں نہاتا گھر گھر شور مچاتا بچپن
گلی گلی میں کرکٹ کھیلا میرا اور تمھارا بچپن
خوشیوں کی جھیلوں میں تیرے ٹب میں بیٹھ نہاتا بچپن
پھول پھول سے تتلی پکڑے باغوں میں پھل کھاتا بچپن
رنگ برنگی پتنگ بنا کر آسمان میں اڑتا بچپن
آموں کے باغوں میں جھولے ننھے پیڑ لگاتا بچپن
روتے ہوئے اسکول کو جاتا گھر کو ہنستے آتا بچپن
استادوں کی نقل اتارے دیواروں پر لکھتا بچپن
گھر سے باہر کنچے کھیلے چھت پر پیچ لڑاتا بچپن
بیچ کتابوں میں کھویا سا کیا ہی اچھا لگتا بچپن
ماں سے روز کہانی سنتے چپکے سے سوجاتا بچپن
روزہ رکھ کر توڑ بھی دیتا خوف بھی اس کا رکھتا بچپن
چیزوں کے ارمانو میں عید کے دن ہے گنتا بچپن
جب سے گیا ہے پھر نہیں لوٹا پل پل ہم نے ڈھونڈا بچپن
سالک ہم سے روٹھ گیا جو
یاد آتا ہے بیتا بچپن

Salik Jamil Brar
W-14/594, Brar Street, Hazrat Sheikh Road
Maler, Malerkotla-14023 (Punjab)

شیریں نیازی

صبح کا بھولا

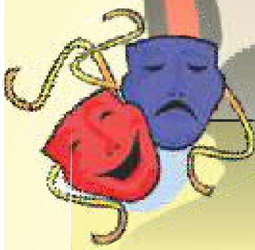

کردار:

پنکو: بارہ سال کا ایک خشک مزاج لڑکا۔

رنکی: پنکو کی چھوٹی بہن خوش مزاج اور پیڑ پودوں سے پیار کرنے والی۔ پڑھائی میں بھی تیز۔

ببلو: ایک یتیم لڑکا پڑھائی میں تیز اور سب کی مدد کرنے کا جذبہ رکھنے والا۔

چنٹو: پنکو کا کلاس میٹ۔ لیکن سب سے الگ تھلگ رہنے والا۔

مشرا جی: پنکو اور رنکی کے والد عمر پچاس کے آس پاس۔ کسی مقامی آفس میں بڑا بابو یعنی کہ ہیڈ کلرک کے عہدے پر فائز اور اخبار پڑھنے کے شوقین۔

پنکو اور رنکی کی ماں: ایک گھریلو خاتون، باغبانی کا بھی شوق۔

ڈاکٹر خان: اس گھر کے فیملی ڈاکٹر اور مشرا جی کے دوست۔

رامو: گھر کا پرانا نوکر۔

سین نمبر1

صبح آٹھ بجے کا وقت۔ مشرا جی صبح کی چائے پینے کے بعد ہال میں صوفے پر بیٹھے اخباروں میں گھرے ہوئے ہیں اس وقت انھیں کسی بھی طرح کی آواز پسند نہیں۔

ماں باورچی خانے میں صبح کا ناشتہ تیار کر رہی ہیں۔ رامو کئی دنوں سے چھٹی پر ہے اور اپنی ماں کو دیکھنے گاؤں گیا ہوا ہے۔ رنکی پودوں میں پانی ڈال رہی ہے۔ جھاڑو والی کے نہ آنے سے پورے گھر میں جھاڑو بھی اُسی نے لگائی ہے۔

بستروں کو جھاڑا ہے۔ ہوا اور دھوپ آنے کے لیے کھڑکیاں کھول دی ہیں۔

سین نمبر 2: چیخنے کی آواز

پنکو: ''رنکی... اری او رنکی کی بچی... یہ تو نے کیا کر ڈالا؟''

رنکی: ''بھلا میں نے ایسا کیا کر دیا جو تم اچانک چلانے لگے؟''

پنکو: ''چوپٹ کر کے رکھ دیا سب کچھ اور کہتی ہے میں نے کیا کیا؟''

رنکی: ''ارے کچھ کہو گے بھی یا یونہی پاگلوں کی طرح چلاتے رہو گے؟''

پنکو: کیا کہا، میں پاگل ہوں جھوٹ موٹ چلاتا ہوں؟

رنکی: اپنے آپ سے۔ پتہ نہیں کیا بکواس لگا رکھی ہے۔ آخر صبح صبح اسے ہوا کیا ہے؟ صاف صاف کہتا بھی نہیں بس چلاتا رہتا ہے۔

پنکو: ''تو نے میرے کمرے کی کھڑکی کیوں کھولی؟''

رنکی: ''صبح سے بجلی گل ہے کمرے میں گھپ اندھیرا پھیلا تھا۔ تمھیں پسینہ آ رہا تھا۔ مجھے جھاڑو لگانی تھی۔ روشنی اور ہوا کے لیے کھڑکی کھول دی تھی۔ تمھارے ہی فائدے کے لیے کیا تھا اور تم ہو کہ...''

پنکو: ''بڑی آئی میرا فائدہ کرنے والی۔ سارا بستر چوپٹ کرا دیا۔''

رنکی: ''میں نے تمھارا بستر چوپٹ کرا دیا؟ وہ کیسے؟''

پنکو: تیرے اس پیڑ سے۔ اور کیسے ایک تو کھڑکی کے پاس پیڑ لگا دیا۔ اوپر سے کھڑکی کھول دی۔ سارے جھڑتے پتے میرے بستر پر آ گرے۔ میں ایسے گندے بستر پر سوؤں گا—؟

رنکی: ''پتوں میں کون سا کچرا لگا بیٹھا ہے سوکھے پتے ہی تو ہیں۔''

پنکو: ہرے ہوں یا سوکھے۔ ہیں گندگی پھیلانے والے۔ یہ سڑیل پیڑ۔ جب دیکھو پتوں کے ڈھیر گراتے رہتے ہیں۔

رنکی: دیکھو پنکو اگر میرے پیڑ کی برائی کی تو ٹھیک نہیں ہوگا، ہاں! پنکو۔ ''کروں گا کروں گا ہزار بار کروں گا، میں تیرے اس پیڑ کو کل ہی کٹوا کر پھینکوا دوں گا...''

رنکی: اچھا... ذرا کاٹ کر تو دکھاؤ۔ جھوٹ موٹ کا تناؤ پیدا کرتے رہتے ہو اسی لیے تو چشمہ پر سادھ بن گئے۔ اچھا کرو تو انھیں برا لگتا ہے۔ ہونہہ پنکو۔ ''اری جا، جا کر کنارے بیٹھ، میں تیری طرح رٹو مل نہیں ہوں... سائنس کا اسٹوڈنٹ ہوں۔ تجھے کیا پتہ کتنی محنت کرنی پڑتی ہے... تو سائنس پڑھتی تو پتہ چلتا۔ نڈو بتے لڈو...

رنکی: یہی تو بات ہے۔ دسویں تک آرٹس کیا اور سائنس کیا؟ سب کچھ پڑھنا ہوتا ہے اور 'پریاورن سنتولن' کیسے بچایا جاسکتا ہے۔ یہ بھی لکھا ہوا ہے کتابوں میں کہ زندگی کے لیے پیڑ پودے کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ پھل، پھول، سایہ، ہوا سب انھیں کے دم سے ہے۔

پنکو: بہت قابلیت دکھا چکی اب اپنا منھ بند کر— صبح صبح دماغ خراب کر کے رکھ دیا... موٹی بلی...! ورنہ... ورنہ۔

رنکی: ورنہ... ورنہ کیا کر لو گے تم؟ تناؤ تم پیدا کرتے ہو بلا وجہ تم چلاتے ہو اور منھ بند کروں میں؟ مریل چوہے کہیں کے۔''

سین نمبر 3

ماں: (جھلاتی ہوئی کمرے میں آتی ہیں اور مشرا جی کے ہاتھ

سے اخبار چھین لیتی ہیں)۔

مشراجی: ”ارے ارے یہ کیا کررہی ہو؟ چین سے اخبار بھی نہیں پڑھ پاتا۔ اس گھر میں —“

ماں: اخبار ہی تو پڑھتے ہیں آپ — اور اخبار کی دنیا میں ایسے گم ہوجاتے ہیں کہ آپ کو نہ کچھ سنائی دیتا ہے نہ دکھائی۔ کچن کا کام کرتے کرتے میں ان دونوں کا جھگڑا بھی سلجھاؤں آپ کے کپڑے بھی پریس کروں۔ آپ تینوں کا لنچ باکس تیار کروں اور آپ دونوں بچوں سے یہ تک پوچھ نہیں سکتے کہ... پورے ایک گھنٹے ہوگئے انھیں جھگڑتے اور آپ کے کان پر جوں تک نہیں رینگی؟“

مشراجی: ”ارے بھائی بچے تو آپس میں جھگڑتے ہی ہیں۔ پھر مل بھی جاتے ہیں۔ ان کا جھگڑا کیا ہوا کہ لگتا ہے قیامت ہی آگئی۔ اور تم مجھ سے لڑنے آگئیں —

ماں: جھگڑا صرف ہوا نہیں بلکہ مسلسل گھنٹے بھر سے ان کی چیخ چیخ چل رہی ہے۔ تم پنکو کو سمجھاتے کیوں نہیں کہ چھوٹی بہن سے نہ الجھا کرے۔“

سین نمبر 4

ماں: پنکو... وو... او پنکو... لڑ چکے تم دونوں؟ یا ابھی اور چیخنا چلانا باقی ہے؟ چلو آؤ ناشتہ لگ گیا ہے۔ رنکی... اسے بلا کر لے آ... ان دونوں باپ بیٹے میں فرق ہی کیا ہے۔ یہ اخبار میں گھسے رہتے ہیں وہ کتابوں کے ڈھیر میں۔

ماں: ”یہ چھٹی کا دن تو میرے لیے اور بھی آفت بن کر آتا ہے۔ کبھی ان کی سنو کبھی اُن کی۔ کبھی ادھر دوڑو کبھی اُدھر — لیکن یہ پنکو بنا بتائے آخر گیا کہاں؟ نہ نہایا دھویا نہ ناشتہ کیا اور دھوپ چڑھی آرہی ہے۔ رنکی... بیٹا ذرا چنٹو کے گھر تو جھانک لے۔ شاید وہیں ہو۔“

مشراجی: شاید ببلو کے پاس...“

ماں: ”تم ببلو کی طرف نہ جانا ان کی۔ اُس کا گھر تو تھوڑی دوری پر ہے۔ آپ خود کیوں نہیں ملتے؟ بچی کہاں کہاں جائے گی بھلا —؟“

مشراجی: ٹھیک ہے۔ ”میں ہی دونوں جگہ دیکھ آتا ہوں۔ اس راموکو بھی ابھی ہی چھٹی پر جانا تھا۔ پتہ نہیں کب لوٹے گا —“

ماں: ساری ڈیوٹی راموکی ہی تو نہیں۔ آخر اس کا بھی تو اپنا گھر پریوار ہے۔

مشراجی: ”اچھا ایک کپ چائے تو دے دو پھر جاتا ہوں۔“

ماں: بجلی صبح سے غائب ہے کچے کوئلے کا چولہا اُگل رہا ہے۔ گیس والے نے ابھی تک سلنڈر نہیں پہنچایا اور اب تو دوپہر ہونے کو آئی۔ کتنی تیز دھوپ ہورہی ہے اور آپ کو چائے چاہیے۔ جتنی دیر میں چولہا تیار ہوگا اتنے میں تو آپ چنٹو، ببلو دونوں کے یہاں سے پوچھ بھی آئیں گے۔“

رنکی... ”ممی... پنکو اِدھر کہیں نہیں ہے۔ میں سارے پڑوس میں چنٹو اور ببلو سے بھی پوچھ لیا۔ فون پہ —“

مشراجی: اپنے آپ سے، ٹھیک ہی کہتی ہے اس کی ماں۔ اس لڑکے کی ضد بڑھتی ہی جارہی ہے۔ چلو دیکھ ہی آئیں صاحب زادے کو —

سین نمبر 5

چنٹو: ”انکل! آپ؟ یہاں اس وقت؟ آیئے اندر جایئے باہر دھوپ ہے۔“

مشراجی: ”بیٹا جن لوگوں کے پنکو جیسے سپوت ہوں وہ دھوپ میں نہ بھٹکیں تو کیا کریں —؟“

چنٹو: ''کیا بات ہوگئی انکل؟ بتایئے تو سہی۔''

مشرا جی: بات کیا ہوتی، بہن سے لڑ کر گھر سے نکلا ہے۔ نہ نہایا نہ دھویا نہ ناشتہ کیا، صبح آٹھ سے غائب ہے۔ ہم نے سوچا تمھارے پاس آیا ہوگا۔ اسی لیے اسے بلانے آیا تھا۔ اس کی ماں اور بہن دونوں پریشان ہو رہی ہیں—''

چنٹو: ''نہیں انکل وہ تو آج اس طرف آیا ہی نہیں۔ اچھا ٹھہریئے ببلو سے پوچھتا ہوں—''

ببلو: (اندر آتے ہوئے) میں تو خود تم سے پوچھنے آ رہا تھا۔ رنکی نے میری ممی کو فون کیا تھا۔ نہیں تو کیا اس دوپہر میں ممی مجھے گھر سے نکلنے دیتیں؟''

مشرا جی: جب تم دونوں کے پاس نہیں تو اور کہاں ہوسکتا ہے۔ ہے کہاں؟ پریشان ہو جاتے ہیں—!

''ببلو بھیا... چنٹو بھیا.....؟؟ (باہر سے ہانپتی ہوئی آواز آتی ہے)۔

چنٹو: ارے تم؟... کیا ہوا منّی... تو اتنا ہانپ کیوں رہی ہے؟

منّی: (پڑوس کی ایک لڑکی ہے)

منّی: ''بھیا... وہ وہ... پنکو بھیا وہاں سویا پڑا ہے۔ ٹیلے والے میدان میں۔''

سب ایک ساتھ: کیا؟؟؟'' سب دوڑ جاتے ہیں—

سین نمبر 6

منّی: وہ دیکھیے انکل! کھلے میدان میں ٹیلے کے پاس۔ پتہ نہیں کیسے سو رہے ہیں۔

چنٹو، ببلو: ''جلدی آیئے انکل۔''

مشرا جی: ''ارے یہ تو بے ہوش پڑا ہے۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔''

ببلو: ''میں رکشہ لے کر آتا ہوں۔ اسے ہسپتال لے چلتے ہیں۔''

چنٹو: ہاں... ہاں... جلدی کرو۔ اور منّی تمھارا گھر سب سے نزدیک ہے جلدی سے ایک لوٹا پانی لے آؤ—

مشرا جی: ''لیکن اس کی ماں؟''

چنٹو: ''میں انھیں فون کر دوں گا پہلے اسے اٹھا کر سائے میں تو لے چلیں!'' ارے یہ رنکی اور اس کی سہیلی بھی آ گئی—؟

رنکی: (روتی ہوئی) اسے کیا ہوگیا پاپا۔ یہ چپ کیوں ہے؟

مشرا جی: آپس کے جھگڑے کا کچھ ایسا ہی انجام ہونا تھا۔ بیٹا۔

رنکی: (اور زور زور سے رونے لگتی ہے) ''سوری پاپا.. مجھے معاف کر دیجیے اب اور کبھی اسے کچھ نہیں کہوں گی۔'' اٹھ جا بھیا۔ اٹھو پنکو... پنکو، آنکھیں تو کھولو—

مشرا جی: دیکھو بیٹی رونے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسے ہسپتال تو لے ہی جا رہے ہیں نا۔ لیکن تم اِدھر کیسے آ گئی؟ کس نے خبر کی تمھیں؟

رنکی: راموکاکا نے۔ انھیں کسی اور نے بتایا—

مشرا جی: تو وہ خود کیوں نہیں آیا۔ اور گاؤں سے لوٹا کب؟

رنکی: وہ گھر کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے جب انھیں معلوم ہوا، وہ ممی کے ساتھ آتے ہی ہوں گے۔ ان کی بس لیٹ ہوگئی تھی۔ اسٹینڈ سے گھر آتے آتے انھیں خبر ملی اور ان کے کندھے پر سامان بھی لدا تھا سامان رکھنے گئے ہیں۔

ببلو: رکشہ آ گیا انکل، جلدی چلیے۔ ہم لوگ بھی آ رہے ہیں۔

ببلو: انکل... انکل آنٹی بھی آ گئیں۔ دیکھیے رو رو کر ان کی کیسی حالت ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر: ارے بھابھی اب رونا دھونا چھوڑیئے۔ میرے رہتے آپ پریشان ہو رہی ہیں اور رو رو کر آنکھیں سجا لیں۔ پنکو کو دو گھنٹے میں ٹھیک کر دوں گا اب آپ بیٹھ جائیے۔

ماں: اگر یہ رنکی اس سے نہ لڑتی۔ تو کاہے کو...

ڈاکٹر: ''اوہ بھابھی اب آپ بھی رنکی کو قصوروار ٹھہرانے لگیں؟ یہ تو ہماری بہت پیاری بیٹی ہے۔ غلطی تو پنکو کی بھی ہے۔''

سین نمبر 7

صبح کا سہانا وقت ہریالی کی خوشبو میں بسی ہوا بہہ رہی ہے۔ چڑیوں کے چہچہانے کی آواز گونج رہی ہے۔ پنکو کے کیبن کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ ہسپتال میں پنکو کا یہ دوسرا دن ہے۔ اب وہ بالکل ٹھیک ٹھاک دکھائی دے رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کیبن میں داخل ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر: ہیلو پنکو... ''ہاؤ آر یو؟''

پنکو: پلٹ کر ''ایک دم ٹھیک ہوں انکل؟ لیکن آج ابھی تک گھر سے کوئی نہیں آیا؟''

ڈاکٹر: ''آتے ہی ہوں گے پچھلے تین دن تمھاری وجہ سے انھوں نے کیسے گزارے تمھیں کیا معلوم! آپس کا جھگڑا بہت برا ہوتا ہے بیٹا اور وہ بھی صرف تمھارے فائدے''

پنکو: ''ساری ڈاکٹر انکل، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ... اب—

ماں: ہم آ گئے میرے بچے، اب کیسا ہے میرا لال؟...

پنکو: اور رنکی؟ وہ کہاں ہے ممی مجھے اس سے معافی مانگنی ہے۔

مشرا جی: رنکی، ببلو، چنٹو، منی، راموکاکا سب حاضر ہیں۔ پنکو مہاراج کے دربار میں۔ کہیے کیا حکم ہے ہمارے آقا...

ڈاکٹر: یہ اب بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔ آپ چاہیں تو اسے آج ہی لے جا سکتے ہیں۔ پیچھے سے میں بھی آ جاؤں گا بھابھی کی ادرک والی چائے پینے۔ اسے لو لگی تھی۔ دھوپ گرم ہوا کی تپش نے اس کی صحت پر اثر ڈالا ہے۔ کچھ دنوں کے لیے اسے کسی ہرے بھرے مقام پر لے جاتے تو اچھا ہوتا—''

ماں: ''یہی تو بات ہے ڈاکٹر صاحب، اسے تو پیڑ پودوں سے ہی چڑھ ہے۔''

پنکو: نہیں ممی۔ پیڑوں سے چڑھنے کا انجام میں نے پا لیا ہے۔ اب ایسا نہیں کروں گا۔

رنکی: ''سچ کہہ رہے ہو بھیا—؟''

پنکو: ہاں رنکی۔ ''تو جیتی میں ہارا— اب خوش ہو جا—''

مشرا جی: ''واہ— یہ تینوں ایک ہو گئے تو میں کیوں پیچھے رہوں؟''

ڈاکٹر: ویری گڈ مشرا۔ اب تمھیں بھی عقل آ گئی ہے—

پنکو: گھر چل کر پہلا کام یہ کروں گا کہ اپنی دوسری کھڑکی کے سامنے ایک نیا پیڑ لگاؤں گا اور اب ہر روز رنکی کے ساتھ مل کر باغیچے کی بھی دیکھ بھال کروں گا۔ پودوں کی سینچائی بھی کروں گا۔

رنکی، ببلو، چنٹو، پنکو، منی: سب نے مل کر یہ صدا دی۔

''ہم سب کا ہے ایک ہی نعرہ۔ ہرا بھرا رہے دیش ہمارا۔
ہریالی زندہ باد!! رنکی، پنکو زندہ باد!!''

■

Sheerin Niyazi
Teacher's Colony,
At+P.O: Bhurkunda - 829135 (Jharkhand)

محاوروں اور کہاوتوں کی کہانی

بچو! جب کوئی آپ کو بہت دنوں بعد ملتا ہے تو آپ کے منھ سے بے ساختہ نکل جاتا ہے۔ ''آپ تو عید کا چاند ہو گئے ہیں۔'' اور جب کوئی اپنے بے وقوفی پر پچھتاتا ہے تو کہا جاتا ہے ''اب پچھتائے ہوت کیا جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔'' اس طرح ان محاوروں اور کہاوتوں کے استعمال سے ہماری بات میں وزن اور حسن کا اضافہ ہوتا ہے۔ زیادہ تفصیل سے بات کہنے کی زحمت سے ہم بچ جاتے ہیں۔ یہ محاورے اور کہاوتیں کس طرح وجود میں آئیں یہ جاننا ضرور دلچسپ ہوگا اس لیے کہ صدیوں سے یہ ہماری گفتگو اور تحریر کا لازمی حصہ بن چکی ہیں۔ آیئے آج ہم آپ کو دو محاوروں کے بارے میں دلچسپ کہانیاں سنائیں اور دیکھیں کہ یہ دو محاورے کیونکر ہماری تحریر و تقریر کا حصہ بنے۔

(1) **ٹیڑھی کھیر ہونا:** جب کوئی مشکل مرحلہ درپیش ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ کام تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ مثلاً دو جانی دشمنوں میں صلح کرانی ہو تو ہمیں اسی محاورے کی مدد لینی ہوگی یا کوئی سخت امتحان پاس کرنا ہو تو بھی ٹیڑھی کھیر ہمیں درپیش ہوگی۔ دراصل ہوا یوں کہ ایک بار ایک گاؤں کی چوپال پر گاؤں کے کچھ لوگ خوش گپیاں کر رہے تھے۔ حقہ چل رہا تھا کہ بات کھانے کی چل نکلی۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا تاؤ آج تم نے کیا کھایا؟ دوسرے نے تیسرے سے یہی سوال پوچھا اور خوب ہنسی ٹھٹولی ہونے لگی۔ انواع و اقسام کے کھانوں کی باتیں ہونے لگیں جن لوگوں نے چٹنی روٹی کھائی تھی وہ بریانی، حلوہ، تنجن اور زردے کا جھوٹ بولنے سے بھی نہیں چوکے۔ ایک صاحب نے کہا ''آج تو میری بیوی نے اس قدر لذیذ کھیر بنائی تھی کہ میں نے بھوک سے زیادہ کھالی اور انگلیاں چاٹتا رہ گیا۔'' اس نے کہا کہ کھیر میں تمام میوے بھی ڈالے گئے تھے اور خوشبو بھی۔ چوپال پر ایک نابینا شخص بھی تھا۔ اتفاق سے اس کے لیے کھیر کا نام بالکل نیا تھا۔ اس نے اس سے پہلے کھیر کا لفظ ہی نہیں سنا تھا۔ کھانا تو دور لہٰذا وہ چونکا۔ اس نے بہت ہی تجسس کے ساتھ کھیر کھا کر آنے والے کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا ''بھائی یہ کھیر کیا ہوتی ہے؟'' جواب ملا کھیر دودھ اور چاول سے بنی ہوئی نہایت لذیذ ڈش ہے جو بالکل سفید ہوتی ہے۔ نابینا دودھ اور چاول سے تو واقف تھا۔ سفید رنگ اس کے لیے سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی لہٰذا اس نے پھر ایک سوال کیا ''یہ سفید کیا مطلب ہوا؟'' کھیر کھانے والا پریشان تو ہوا لیکن اس نے اپنے ایک ہاتھ کی کلائی آگے کی طرف جھکا دی اور اس ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے پہلے پوروں کو جوڑ کر کسی چڑیا کی گردن اور منھ جیسی شکل بنائی اور پھر نابینا کا

ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کہ "آپ اسے ٹٹول کر دیکھیے ایسی ایک چڑیا ہوتی ہے جس کا نام بگلہ ہے۔ بگلہ بالکل سفید ہوتا ہے اور کھیر بھی اس کی طرف بالکل سفید ہوتی ہے۔ نابینا نے اس کے ہاتھ کو اچھی طرح ٹٹول کر محسوس کیا اور پھٹ سے بول اٹھا "اے اللہ یہ تو بہت ٹیڑھی چڑیا ہے۔ تم نے تو بڑی ٹیڑھی کھیر کھائی ہے۔ آخر تم نے اتنی ٹیڑھی کھیر گلے سے کیونکر نیچے اتاری ہوگی۔ تعجب ہے تم تو کھیر کی بہت تعریف کر رہے تھے۔ چوپال پر موجود تمام لوگ ہنس پڑے اور تب سے ہر مشکل کام کے لیے ٹیڑھی کھیر کا محاورہ رائج ہو گیا۔ تم نے بھی اکثر اس محاورے کو استعمال کیا ہوگا یا سنا تو ضرور ہوگا۔

(2) **تیس مار خاں**: ایک گاؤں میں ایک غریب مزدور رہتا تھا گاؤں میں قحط پڑ گیا اور اسے مزدوری ملنی بند ہو گئی۔ بھوک سے مرنے کی نوبت آ گئی تو اس کی سمجھ دار بیوی پڑوس کے کسان کے گھر جا کر کچھ تل مانگ لائی۔ تھوڑا سا گڑ اس کے پاس تھا۔ اس نے تل کو اپنے گھر کی اوکھلی میں ڈال کر خوب کوٹا اور گڑ ملا کر تیس لڈو بنا دیے۔ ایک پوٹلی میں باندھ کر اس نے یہ لڈو شوہر کو دیے اور کہا کہ شہر چلے جاؤ۔ روز ایک لڈو کھا کر پانی پی لیا کرنا۔ ان شاء اللہ شہر میں کچھ نہ کچھ تو روزی کا انتظام ہو ہی جائے گا۔ تب تک ان لڈوؤں کو کھا کر کام چلا لینا۔ مزدور چل پڑا۔ پیدل راستہ طے کرتے کرتے اسے شام ہو گئی۔ تو ایک کنوئیں کے پاس رک گیا اور اپنی پوٹلی کھولنے لگا۔ اسے زور کی بھوک لگی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ لڈو نکال پاتا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سے چونک اٹھا۔ دھول اڑاتا ہوا ایک قافلہ اپنے گھوڑوں کو دوڑاتا ہوا اسی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ مزدور بے چارہ خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ کھانا پینا بھول گیا اور چھپنے بچنے کی کوشش کرنے لگا لیکن گھڑ سواروں نے اسے دیکھ لیا اور چلا کر اسے رکنے کا حکم دیا۔ اب تک مزدور کی سمجھ میں سب قصہ آ چکا تھا کہ یہ بدنام زمانہ ڈاکوؤں کا گروہ تھا۔ تیس ڈاکوؤں کا ایک بے رحم ٹولہ تھا جس نے لوگوں کے دن کا چین اور رات کا آرام چھین لیا تھا۔ بادشاہ نے ان کی گرفتاری کے لیے بڑا سا انعام بھی طے کر رکھا تھا لیکن یہ شاطر ڈاکو پولیس کی پکڑ سے آزاد تھے۔ یہ جان کر تو غریب مزدور کی جان ہی نکل گئی۔ اس نے ان ڈاکوؤں کے ظلم و ستم کے قصے سن رکھے تھے۔ اسے لگنے لگا کہ بس اب اس کا آخری وقت آ چکا ہے۔ وہ خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا کہ ڈاکوؤں کے سردار نے بہت سخت آواز میں اس سے پوچھا۔ تو، کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟ مزدور نے بتایا کہ میں غریب مزدور ہوں۔ قحط سے بے حال ہو کر شہر جا رہا ہوں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اس سے پوچھا تیرے پاس کھانے کو بھی کچھ ہے؟ ہم لوگ بہت بھوکے ہیں۔ جنگل جنگل چھپتے پھرتے ہیں۔ اگر کچھ ہو تو ہمیں کھانے کو دے۔ مزدور نے اپنی پوٹلی آگے کر دی اور کہا کہ اس میں تیس تل کے لڈو ہیں۔ آپ بھی اتفاق سے تیس ہی ہیں۔ ڈاکوؤں کا سردار خوفناک ڈھنگ سے ٹھٹھا کہ مار کر ہنسا اور اس کی بات کو دہرایا۔ "آپ بھی اتفاق سے تیس ہی ہیں؟" سردار پوٹلی پر جھپٹ پڑا اور سب ڈاکوؤں کو ایک ایک لڈو دینے لگا۔ سب نے لڈو کھائے اور کنوئیں سے بھر پیٹ پانی پیا۔ لیکن یہ کیا! ایک ایک کر کے۔ وہ تو وہیں ڈھیر ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام تیس کے تیس ڈاکو بے جان ہو کر گر گئے۔ مزدور حیرت زدہ ہو کر دیکھتا رہ گیا لیکن اس نے خود کو سنبھالا اور کچھ سوچنے لگا آخر اس نے فیصلہ کیا کہ ان تیسوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور پیش کیا جائے اور انعام کی بھاری رقم وصول کر کے باقی زندگی چین سے گزاری جائے۔ اس نے یہی کیا۔

وہ پہلے تو اپنے گھر پہنچا۔ اپنی بیوی کو یہ تمام قصہ سنایا۔ اس کی بیوی خود تشویش میں مبتلا تھی۔ جب اس نے اپنے شوہر کو رخصت کیا تھا تو بعد میں اوکھلی صاف کرتے ہوئے اسے پتہ چلا کہ اوکھلی میں ایک زہریلا سانپ بھی تِل کے ساتھ کوٹ دیا گیا تھا۔ جیسے ہی مزدور کی بیوی کو لڈوؤں میں زہر ہونے کا پتہ چلا وہ فکرمند ہوگئی کہ اس کا شوہر ان لڈوؤں کو کھا کر مر جائے گا۔ لیکن وہ اسے کہاں تلاش کرکے یہ بات بتاتی۔ ان دنوں تو موبائل فون بھی نہیں ہوتے تھے۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کا شوہر زندہ و سلامت تھا اور ڈاکو جہنم رسید ہو چکے تھے۔ مزدور کو بھی اب جا کر علم ہوا کہ لڈو کھا کر ڈاکو مر کیوں گئے تھے۔ مزدور اور اس کی بیوی خوشی خوشی بادشاہ کے محل پہنچے اور دربان سے اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔ انھیں دربار میں بلا لیا گیا۔ مزدور نے بادشاہ کے حضور تمام سچ اگل دیا اور بوری بادشاہ کے سامنے الٹ دی۔ ایک ایک کر کے تیس خوں خوار ڈاکوؤں کے سر زمین پر گرتے چلے گئے۔ بادشاہ نے کوتوال سے ان سروں کی شناخت کرائی اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ واقعی یہ وہی ڈاکو تھے جن کی تلاش میں بادشاہ کی پولیس سرگرداں تھی تو بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی۔ غریب مزدور کو بہت سارا انعام و اکرام دیا گیا اور اسے 'تیس مار خاں' کے لقب سے بھی نوازا گیا۔

تو بچو! تم نے دیکھا کہ ان محاوروں اور کہاوتوں کے پیچھے کیسی کیسی مزے کی حکایتیں چھپی ہوتی ہیں!

■

Rashid Jamal Farooqui
C-1452, IDPL Township
Virbhadra (Rishikesh)
Dehradun - 249202 (UK)

جوابات

حشمت کمال پاشا

عجیب وغریب پرندہ: ققنس

علم حیوانات (زولوجی) کا پیریڈ تھا۔ نئے پروفیسر آئے تھے۔ نام تو ان کا کچھ اور تھا مگر ہم سب جماعت والے شاہان سر کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ بڑے ہنس مکھ پروفیسر تھے۔ پڑھاتے اس طرح سے تھے کہ دو گھنٹے کا پیریڈ کب شروع ہوا اور کب ختم ہوا معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔

ایک دن شاہان سر کلاس میں آئے اور کرسی پر بیٹھے ہی تھے کہ شاہد نے کہا سر آج کلاس میں تعجب خیز بات یہ ہوئی کہ ریاضی کے پروفیسر نے Mathematics کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کر دکھایا۔

شاہان سر مسکرائے اور کہنے لگے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا وجود زولوجی کے ذریعے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ سننا چاہتے ہو تو غور سے سنو!

ققنس پرندہ کا نام تم سبھوں نے سنا ہے؟

جی نہیں! ہم سبھوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

ہاں! یہ صحیح ہے کہ ققنس پرندہ کے بارے میں دنیا کی تقریباً 90 فیصد آبادی نہیں جانتی ہے تو تم سب کیا جانو گے؟ پھر پروفیسر صاحب مسکرائے اور یوں گویا ہوئے۔

ققنس ایک نہایت ہی خوش رنگ اور خوش آواز پرندہ ہے۔ یہ ایک عجیب وغریب اور پراسرار قسم کا پرندہ ہے جو ایشیا کی پہاڑیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ پرندہ نہ 'نر' ہوتا ہے اور نہ ہی 'مادہ' اس کی شکل وصورت مرغ یا بگلے سے ملتی جلتی ہے۔ اہلِ لغات کا کہنا ہے کہ اس کی چونچ لمبی ہوتی ہے جس میں 360 سوراخ ہوتے ہیں اور ہر سوراخ سے ایک ایک راگ نکلتا ہے۔ جب اسے بھوک لگتی ہے تو کسی بلند پہاڑ پر جا کر ہوا کے رخ بیٹھتا ہے

جس کے سبب دلکش سر نکلتے ہیں اور اس کے راگ کو سن کر بہت سے پرندے فریفتہ ہو کر اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ققنس پرندہ ان میں سے دو چار کو پکڑ کر چٹ کر جاتا ہے۔

ققنس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی ققنس دنیا میں ہوتا ہے۔ اس کا گھر جنت کا نمونہ ہوتا ہے۔ یہ پرندہ ایک ہزار سال تک زندہ رہتا ہے۔ جب ایک ہزار سال پورے ہو جاتے ہیں تو اس کی عمر آخری ہو جاتی ہے۔ اپنی طویل عمری کے بوجھ سے تنگ آ کر یہ پرندہ موت کو گلے لگا لیتا ہے۔ موت کو گلے لگانے کے لیے بھی یہ عجیب وغریب طریقہ استعمال کرتا ہے کہ وہ برما کے جنگلوں کے خوشبودار درختوں کے جھنڈ میں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں یہ پرندہ جڑی بوٹیوں کا ایک گٹھا تیار کرتا ہے اور کھجور کے درخت پر گھونسلہ بناتا ہے۔ اس پر بیٹھ کر سورج کے ظہور کا انتظار کرتا ہے جو اس کی موت کا پیغامبر بن کر طلوع ہوتا ہے۔ ققنس سورج کی طرف منہ کر کے مسحور کن نغمے کی آواز اس کی چونچ سے نکلتی ہے۔ پھر ققنس کے منہ سے آگ کی چنگاری نکل کر اس کے گھونسلے کو آگ لگا دیتی ہے۔ تب جا کر ققنس کی ایک ہزار سالہ زندگی شعلہ برتی آگ میں ختم ہو کر اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔ خدا کی قدرت اسی راکھ پر مینہ برستی ہے۔ کچھ عرصے بعد اس راکھ میں ایک ننھا سا کیڑا حرکت کرتا دکھائی پڑتا ہے۔ اس طرح روایت کے مطابق تین دن کے اندر وہ مخلوق ایک شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اتنا کہہ کر سر خاموش ہو گئے

اور ایک ققنس کا جنم.......... تمکین بولا۔

ہاں! سر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تو سر کیا؟ ققنس کی مکمل طور پر موت نہیں ہوتی۔

نہیں! سر نے کہا کہ ایک روایت کے مطابق ققنس کو موت کا فرشتہ چھو نہیں سکتا۔

''سر!'' کیا ققنس آب حیات پی کر آیا ہے۔ شاہد بول پڑا اور ہم سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

پھر سر نے کہا! آپ کی معلومات کے لیے یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ چند فلسفیوں کا قول ہے کہ ققنس کا وجود روحانی طور پر جنم لینے کی زندہ علامت ہے نیز یہ اپنی ہیئتیں تبدیل کرنے اور تخلیقی صلاحیتوں کو حیات بخشنے کا مظہر ہے۔

اسلامی عقائد اور نظریات میں ققنس کا مترادف 'عنقا' ہے۔ اسے شروع میں اللہ تعالیٰ نے کمال فضیلت سے پیدا کیا لیکن رفتہ رفتہ وہ زمین والوں کے لیے عذاب بن گیا۔ لہٰذا اسے نیست ونابود کر دیا گیا۔

دیکھا! آپ نے کہ دنیا میں ہر مخلوق کا 'نر' اور 'مادہ' ہوتا ہے لیکن ققنس ایک ایسا پرندہ ہے جس کا جوڑا نہیں ہوتا۔ گرچہ یہ ایک ہزار سال تک زندہ رہتا ہے۔ لیکن اس کی موت بھی عجیب و غریب طریقے سے واقعہ ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ حکما نے علم موسیقی اسی پرندہ سے حاصل کیا اور فارسی کے شعرا اسے 'آتش زن' کہتے ہیں۔

ادھر اسکول کی گھنٹی بج رہی تھی اور ہم سب ہم جماعت ایک دوسرے کو دیکھنے لگے گویا کہہ رہے ہوں واقعی! پروفیسر صاحب پڑھانے کا 'گر' جانتے ہیں کیونکہ باتوں ہی باتوں میں انھوں نے ہم سبھوں کو زولوجی کا ایک باب (One Chapter) پڑھا دیا تھا۔

■

Hashmat Kamal Pasha
B-119, Nawab Wajid Ali Shah Road
Post: Garden Reach
Kolkata - 700024 (West Bengal)

اظہر نیر

مختصر کہانیاں

گڑیا

چار سالہ عالیہ نہانے سے بہت ڈرتی تھی۔ بڑی مشکل سے اس کی ماں اس کو غسل کرواتی تھی۔ غسل کے نام پر بہت روتی اور پھر غسل کے بعد گھنٹوں روتی رہتی، اس وجہ سے اس کے والدین بہت پریشان تھے۔ آخر اس کے بدن پر لگی دھول مٹی کو کیسے صاف کیا جائے۔ اس کا کیا علاج ہو۔ یہ سوچ کر اس کے ماں باپ کافی پریشان تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ عالیہ نہانے سے اتنی ڈرتی تھی کہ اس کی ماں اسے نہانے کے لیے غسل خانے میں چلنے کے لیے کہتی، مگر وہ روتی اور مچل جاتی، دیر تک روتی رہتی۔ ڈرانے، دھمکانے اور پیٹنے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس کی ماں نے تنگ کر اسے نہلانا ہی چھوڑ دیا۔ دو تین دنوں تک اس معاملے میں اس سے کوئی بات نہیں کی۔ بغیر غسل کیے اسکول چلی جاتی تھی۔ اسکول سے شکایت بھی آجاتی مگر وہ غسل کرنے سے بہت ڈرتی تھی——!

اتفاق سے ایک روز عالیہ کے چچا جو نفسیات کے پروفیسر تھے اس کے گھر آئے۔ عالیہ کی ماں نے اپنے پروفیسر دیور سے عالیہ کا حال بتایا۔

پروفیسر نے عالیہ سے بھی بات کی، عالیہ نے اپنے چچا جان سے کہا کہ مجھے گندگی اچھی نہیں لگتی۔ مگر نہانے اور پانی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ عالیہ اسکول چلی گئی اور پروفیسر صاحب بازار گئے اور ایک بڑی سی پلاسٹک کی گڑیا خرید لائے اور عالیہ کو تحفہ

دیا۔ عالیہ بہت خوش ہوئی اسے اپنے سینے سے لگائے رکھتی۔ سوتی بھی تو گڑیا کو اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ پروفیسر صاحب نے اپنی بھابھی کو کہا کہ عالیہ جب اسکول چلی جائے تو پلاسٹک کی گڑیا کو تھوڑی سی گندگی لگا دیا کرے۔ یہ کام روزانہ کرے۔ پھر ایک دن عالیہ سے کہنا ہے کہ تمھاری گڑیا بہت گندی ہوگئی ہے۔ اس کو دور رکھو، تاکہ تمھارا کپڑا گندہ نہیں ہوگا، اس بات کا خیال رکھنا، عالیہ گندی گڑیا کو اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی، مگر عالیہ کی ماں نے عالیہ سے لے کر کہا کہ گڑیا کتنی گندی ہوگئی ہے۔ اچھا میں اسے صاف کردوں گی۔ مگر عالیہ نے گڑیا میرے ہاتھ سے چھین لی، بولی میں خود اسے صاف کیے دیتی ہوں۔ عالیہ گندی گڑیا کو غسل خانے میں لے جا کر نہلانے لگی۔

گڑیا کو نہلانے کے سبب عالیہ کا پورا کپڑا گیلا ہوگیا۔ عالیہ کی ماں نے دیکھا کہ عالیہ پوری طرح نہلا گئی تو وہ بھی اس کو نہانے لگی کیونکہ وہ گڑیا کو نہلانے میں محو تھی، اس کی ماں بھی روزانہ اس کو صاف کرنے کے بہانے نہلانے لگی— عالیہ اچھی لگنے لگی۔ اسکول سے بھی اب شکایت نہیں آتی تھی اور اس طرح عالیہ کو نہانے میں مزا آنے لگا اور اس کی ماں بھی اب خوش خوش رہنے لگی۔

انتقام

بہار کا موسم، صبح کا وقت، خوش نما لگ رہا تھا۔ گلاب کے پودے پر ہرے ہرے ریشم جیسے پتوں کے درمیان ٹہنی پر دو چڑیا بیٹھی تھیں، لوگ اسے بلبل کہتے ہیں ایک بلبل چہکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ دوسری مرجھائے ہوئے پھول کی طرح اداس بیٹھی تھی۔ پیاری! اداس کیوں ہو، کیا تمھیں بہار اچھی نہیں لگتیں؟ پیارے کیا بتاؤں، دل بہت اداس ہے بیٹھا سا جارہا ہے، ساری رات پریشان خوابوں میں گزری، سویرے اُلو کی صورت دیکھی جو نہایت ہی بدشگون ہے؟

پریشان خواب یعنی میں تنہا بے یارومددگار اِدھر اُدھر آواز لگاتی اڑتی رہی ہوں، میری آنکھیں تمھیں دیکھنے کو ترس رہی ہیں، میری زبان تم کو پکارتے پکارتے تھک چکی ہے۔ پیاری تم دیوانوں کی سی باتیں کرتی ہو، خواب کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ تم کتنی بزدل ہو، تھوڑی تھوڑی بات پر ڈر جاتی ہو۔ آؤ اس خوب صورت گلاب کے خوش نما پھولوں کی مہک سے دل و دماغ کو تازہ کریں۔

عباس نے کہا ثریا دیکھو اس گلاب کی جھاڑی پر خوش نما پھولوں کے درمیان دو بلبلیں بیٹھی ہیں، کیسی حسین اور کتنی خوش ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ نر مادہ کا جوڑا ہے۔ دائیں جانب والا نر معلوم ہوتا ہے۔ اس میں دلربا انداز پایا جاتا ہے اور وہ اسی پر فدا ہو رہی ہے۔ کتنا خوش اور پیارا جوڑا ہے۔

دن... دن... دن کی آواز فضا میں گونجی۔ عباس نے ایرگن سے بلبل کو مار گرایا۔ دائیں جانب والی بلبل زمین پر دم توڑ رہی تھی، آواز آئی، خون کی قیمت ادا کرنی ہوگی، انتقام لوں گا۔

ثریا نے یہ آواز سنی، مگر عباس انجان رہا۔ ثریا نے سنا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجبور و لاچار بلبل تنہا بے یار و مددگار مردہ بلبل پر منڈلا رہی تھی۔ بلبل زمین پر تڑپ کر مردہ ہو چکا تھا۔

عباس، ثریا دونوں چہل قدمی کرتے ہوئے دور جنگل کی طرف نکل گئے — ایک جوڑا چڑیا کی طرف دونوں کی نظر اٹھی، بہت ہی خوب صورت جوڑا ہے، ثریا نے کہا کہ عباس اس کو مارنا نہیں چاہیے۔ اس بلبل کی موت سے میرا دل ٹوٹ رہا ہے۔ مجھے بہت ہی افسوس ہو رہا ہے۔

عباس نے کہا ثریا ان سب باتوں سے اپنا دل کیوں خراب کر رہی ہو، کیوں تکلیف دے رہی ہو۔ یہ چڑیا پرندہ ہے اس کے لیے اپنے دل کو کیوں اُداس کر رہی ہو، دیکھو عباس، دل میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، برے برے وہم دماغ میں آتے ہیں۔

ثریا تم تو چھوٹے بچوں کا سا دل و دماغ رکھتی ہو، جو اپنے سایہ سے ڈر جاتا ہے اور چیخیں مارنے لگتے ہیں۔ عباس تم نہیں سمجھ رہے ہو، میرے دل و دماغ میں ایک ہی بات آ رہی ہے۔ میں تنہا اس جنگل میں گھوم رہی ہو، تم مجھ سے بچھڑ گئے ہو، خیر چھوڑو چلو آگے بڑھتے ہیں —!

یکایک عباس کے منہ سے چیخ نکلی اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کو زہریلے سانپ نے ڈس لیا تھا!

ثریا کے کانوں میں بلبل کی آواز گونجتی رہی۔ بلبل کے خون کا 'انتقام' پورا ہو گیا۔

بچو! کسی کے بارے میں برا نہیں کرنا چاہیے۔ بے وجہ کسی کی جان لینا بھی ٹھیک نہیں ہے، برا کرنے والوں کے ساتھ بھی برا ہوتا ہے۔

■

Azhar Naiyar
At-P.O: Barhulia, Via: Kansi Simri
Darbhanga - 847106 (Bihar)

مرزا نہال حبیب بیگ

پانی کی بربادی

محرم پور نام کا ایک چھوٹا مگر پیارا سا گاؤں تھا۔ ہرے بھرے پیڑ پودے، ندی، تالاب، جھرنے، کھیتوں میں لہلہاتی ہوئی فصلیں، کوئل اور بلبل کی چہچہاہٹ سے ہر طرف ایک خوش نما ماحول چھا جاتا تھا۔ جن کی وجہ سے گاؤں کی خوبصورتی میں چار چاند لگ گئے تھے۔ اس گاؤں میں چار یار رہتے تھے۔ جمال، ارشد، طارق اور شمیم۔ یہ چاروں بڑے گہرے دوست تھے۔ گاؤں سے قریب ایک اسکول میں آٹھویں کلاس میں پڑھتے تھے۔ وہ ایک ساتھ اسکول جاتے اور ایک ہی ساتھ واپس آتے۔ اسکول اور گاؤں میں ان کی دوستی کے چرچے ہوتے۔ ہر میدان میں یہ بازی مارلے جاتے تھے۔ بات پڑھنے کی ہو یا کھیل کود کی۔

ان چاروں دوستوں میں ارشد کی ایک عادت نہایت بری تھی، وہ پانی بہت برباد کرتا، پانی کی اہمیت کو نہیں سمجھتا تھا۔ تینوں دوست اس کو بہت سمجھاتے کہ دیکھو ارشد! پانی اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس کی ناقدری سے بچو، ہمارے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بھی ہے کہ پانی کے غیر ضروری استعمال سے بچا جائے، یہاں تک کہ وضو میں بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے خواہ ندی اور تالاب کے کنارے ہی بیٹھ کر وضو کیوں نہ کیا جائے۔ آج ملک میں جو پانی کی قلت نظر آتی ہے وہ ہماری اسی غلط عادت کے نتیجہ میں ہے کہ ہمیں اللہ کی اس نعمت کی جیسی قدر کرنی چاہیے نہیں کرتے۔ مگر ارشد پر ان کی باتوں اور سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اس کی عادت جوں کی توں رہی۔

ایک دن تینوں دوست جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیسے ارشد کی اصلاح کی جائے۔ سبھی سوچ رہے تھے کہ اتنے میں طارق کو ایک آئیڈیا آیا اور اس نے کہا: گرمی کی چھٹی ہونے والی ہے، کیوں نہ ہم اس بار گرمی کی چھٹی میں راجستھان کا سفر کریں وہاں پر پانی کی بڑی قلت ہے، جب

ارشد اپنی آنکھوں سے وہاں کی صورت حال کو دیکھے گا تو وہ پانی کی اہمیت کو ضرور سمجھے گا، سبھی کو یہ مشورہ پسند آیا۔ انھوں نے یہ ساری باتیں اپنے کلاس ٹیچر سلیم سر کو بتائیں، وہ ان بچوں کی سوچ سے بڑے متاثر ہوئے اور خوشی خوشی ان کے ساتھ اس چھٹی میں راجستھان جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

گرمی کی چھٹی ہوتے ہی کلاس کے سبھی بچے کلاس ٹیچر کے ساتھ بس سے راجستھان کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے بھر سب گپ شپ کرتے اور باہر کے نظارے کا مزہ لیتے ہوئے راجستھان پہنچ گئے۔ منزل رفتہ رفتہ قریب آ رہی تھی۔ وہاں چاروں طرف سوکھے سوکھے پیڑ پودے، سوکھ چکی ندیاں، تالاب، جھیل اور کھیتوں میں مرجھائی ہوئی فصلیں دیکھ کر ارشد کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ اسے اپنا ہرا بھرا اور خوبصورت گاؤں شدت سے یاد آنے لگا اور وہ من ہی من اپنے گاؤں کا موازنہ راجستھان کے سوکھے پڑے گاؤں اور بنجر کھیتوں سے کر رہا تھا۔ جہاں دور دور تک پانی اور ہریالی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ہینڈ پائپ بھی سوکھ چکے تھے۔ وہاں کے لوگوں کو پانی لیٹر کے حساب سے ملتے دیکھ کر ارشد کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے سلیم سر سے پوچھا: کیا یہاں کے لوگوں کو پانی ناپ کر ملتے ہیں اور اس کے لیے پیسے بھی دینے پڑتے ہیں؟ تب سلیم سر بولے: ہاں ارشد! یہاں کے لوگ پانی کے لیے ترستے ہیں، کئی کئی دنوں تک انھیں پانی نہیں مل پاتا ہے۔ پیاس کی وجہ سے کتنوں کی جان چلی جاتی ہے۔ اگر ہم نے پانی کی قدر نہیں کی، اس کا بے جا استعمال کیا تو ہمارا بھی یہی حال ہوگا۔ یہ سن کر اور وہاں کے لوگوں کی صورت حال دیکھ کر ارشد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، تب اسے احساس ہوا کہ پانی برباد کرنا کتنا بڑا جرم ہے اور یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے جو ہمیں حاصل ہے۔ اسی کے دم سے ہمارے گاؤں کی ساری شادابی اور رونق ہے۔ اس نے سبھی دوستوں اور ٹیچر کے سامنے یہ عہد کیا کہ وہ نہ صرف پانی کے استعمال میں خود بھی احتیاط برتے گا بلکہ پانی کے سلسلہ میں ہو رہی فضول خرچی کو روکنے کے لئے عام لوگوں کو بھی متوجہ کرے گا۔

■

Mirza Nehal Habeeb Baig
D-316/1, Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, Okhla,New Delhi - 110025

فاطمہ شاہین

ایک بچے کی تصوراتی دنیا

کاش کہ میں اک پنچھی ہوتا
اُڑ جاتا آکاش میں
ننھے ننھے تارے چُن کر
بھر لاتا میں ہاتھ میں

رنگ برنگے سندر سندر
پنچھی کو میں رکھتا دوست
اُن کی میٹھی میٹھی بولی
سن کر ہوجاتا مدہوش

کان میں چندا ماما کے میں
بات یہی چپکے سے کہتا
گھٹنا بڑھنا کہاں سے سیکھا
تم نے اس آکاش میں

اپنی پیاری امی کو میں
روز سناتا خبر نئی
اپنے ابا جی کو بھی میں
روز بتاتا بات نئی

کبھی کبھی میں اُڑ کر جاتا
پریوں کے سنسار میں
کوئی کہانی پیاری سی میں
سنتا اس دربار میں

امی کرتی مجھ کو پیار
ابا بھی ہوجاتے نثار
استادوں کی ڈانٹ سے بچتا
کاش کہ میں اک پنچھی ہوتا

■

Fatima Shaheen
D-813, G.T.B. Nagar
Kareily, Allahabad - (UP)

اقبال محمد خان

وقت

رستہ کسی کا کبھی دیکھتا نہیں ہے وقت
انتظار کسی کا کبھی کرتا نہیں ہے وقت
رُتبہ کسی کا کبھی دیکھتا نہیں ہے وقت
پیچھے کسی کو کبھی مُڑ کر دیکھتا نہیں ہے وقت
کاہلوں کا ساتھ کبھی دیتا نہیں ہے وقت
لاپرواہوں کو دوست کبھی بناتا نہیں ہے وقت
ناقدروں کی قدر کبھی کرتا نہیں ہے وقت
بے فکروں کو قطعی پسند کرتا نہیں ہے وقت
اپنے دیوانوں کے ساتھ محبت کرتا ہے وقت
سست، کاہل سے نفرت کرتا ہے وقت
قدردانوں کو اپنی پلکوں پر بٹھاتا ہے وقت
تمام کام ان کے وقت پر کروا دیتا ہے وقت
ناقدروں کو ہاتھ ملنے پر مجبور کرتا ہے وقت
سوائے پچھتاوے کے اُن کے ہاتھ کچھ لگنے دیتا نہیں ہے وقت

پانی

اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے پانی
تمام جاندار، حیوانات، نباتات کی زندگی ہے پانی
تمام جسمانی اعضاء کے لیے ضروری ہے پانی
فصلوں، باغیچوں کے لیے بے حد ضروری ہے پانی
تعمیری کاموں، دھونے دھانے کے لیے ضروری ہے پانی
مِلوں، کارخانوں کے لیے ضروری ہے پانی
ادویات، مشروبات کی تیاری کے لیے ضروری ہے پانی
بجلی کی تخلیق کے لیے ضروری ہے پانی
دنیا میں ایسا کوئی چھوٹا بڑا انسان نہیں ہے
جو اِس کی اہمیت سے واقف نہیں ہے
اس لیے ہم سب کا اخلاقی فرض ہے
بچت ہر حال میں ہم کو پانی کی کرنا ہے

Iqbal Mohd Khan
House No.: 1-23-75
Rauf Colony Nanded
Distt.: Nander (Maharashtra)

عبدالوہاب قاسمی

ادب کی اہمیت

یاسر کے پاس ایک خوبصورت کتاب تھی۔ جب بھی اسے وقت ملتا وہ اس کو پڑھتا......کبھی ہنستا......کبھی اپنے من میں کچھ گنگناتا......اور کبھی اچانک چپ چاپ صرف ورق الٹا کرتا تھا......!!

اس کی بہن ادیبہ بارہا اس کا یہ انداز دیکھتی اور پریشان ہوتی......ایک دن پوچھ لیتی ہے......!!

بھیا......! آپ جب بھی اس کتاب کو پڑھتے ہیں......تو آپ کا خوش ہونا......اچھلنا......گنگنانا ......اور پھر خاموش ہوجانا......دیکھنے لائق ہوتا ہے......! آخر یہ کیسی کتاب ہے اور کیا ہے اس میں......؟؟

اسی دوران یاسر نے ہنستے ہوئے بہن کو اپنے پاس بلایا اور کتاب میں لکھا یہ شعر گنگنانے لگا

ہر دل پہ مری دھاک بٹھادے اللہ
دنیا کو کرشمہ یہ دکھادے اللہ
لوگوں کی نگاہوں میں جواں کردے مجھے
بچہ ہوں تو کیا مونچھ اگا دے اللہ

(چھکاریں: از ظفر کمالی)

دونوں ہنسنے لگتے ہیں......یاسر مزے لے لے کر کچھ دیر تک اس ٹکڑے کو دہراتا رہا:

''مونچھ اگادے اللہ............دنیا کو کرشمہ یہ دکھادے اللہ......''

یاسر کے ہاتھ سے کتاب لے کر ادیبہ الٹتی پلٹتی ہے۔ ہر ورق پر اسے چار چار لائن کی ایک مخصوص شعری ہیئت نظر آتی ہے......فوراً وہ یاسر سے سوال کرتی ہے......!

بھیا یہ کتاب تو ویسی نہیں ہے جو ہم روز اسکول میں پڑھتے ہیں......؟؟

ہاں......!! یاسر نے جواب دیا......یہ کتاب ویسی تو نہیں ہے مگر یہ ہم بچوں کے لیے ہی لکھی گئی ہے......!! اس میں جو چیز لکھی ہے، اسے ''شاعری'' کہتے ہیں جو ادب کہلاتا ہے......!!

ادیبہ کے لیے ''شاعری'' اور ''ادب'' دونوں نئے الفاظ تھے۔ وہ ان دونوں کے معانی سے واقف ہونا چاہتی تھی۔ یاسر سے اس کا اگلا سوال تھا......!

بھیا ''شاعری'' اور ''ادب'' یہ دونوں کیا ہوتے ہیں......؟

بہن کا سوال سن کر یاسر کو اپنا وہ وقت یاد آیا وہ بھی ان الفاظ کے معانی نہیں جانتا تھا۔

وہ ادیبہ سے مخاطب ہوا کہ:

''دیکھو......! ہم نے بھی تمھاری طرح جب یہ الفاظ پہلی بار سنا تھا تو کچھ ایسے ہی سوالات کے جوابات خود میں نہ پا کر جاننے کی تڑپ پیدا ہوئی تھی ......مگر ایک دن کلاس میں اسی طرح کا ایک سبق آ گیا......استاد نے پڑھاتے ہوئے ان دونوں کے بارے میں بہت لمبی تقریر کی......جو میرے اوپر سے گزر گئی......مگر کچھ باتیں یاد ہیں۔

استاد نے کہا تھا......!!

''بچو......! آج تم سب ایک نیا سبق پڑھنے جا رہے ہو۔ اس میں ایک خوبصورت نظم ہے، جسے 'شاعری' کہتے ہیں۔ شاعری ایک نغمہ اور گیت کی طرح ہوتی ہے۔ کم الفاظ میں ڈھیر ساری باتیں کہی جاتی ہیں۔ جو اس کو لکھتا ہے اس کو شاعر کہتے ہیں۔ یہ بڑوں کے ساتھ بچوں کے لیے بھی لکھی جاتی ہے۔ بچوں والی شاعری بالکل آسان زبان اور الفاظ میں ہوتی ہے۔ تاکہ بچے سمجھ سکیں اور خوب مزہ لے کر پڑھیں۔ اس لیے اس میں کھلونا، مٹھائیاں، پھل، پھول، پرندے، جانور، پہاڑ، چاند، ستارے، صبح، شام، ندی، دریا، پیڑ، بچوں کی آپسی شرارت، کھیل کود، اسکول، کتاب، بستہ، جہاز، ریل اور راکٹ وغیرہ پر شاعر اچھے اچھے شعر کہتا ہے۔ جو زبان پر خود بخود جاری ہو جاتے ہیں۔ اردو میں بڑے بڑے شاعروں نے بچوں کے لیے شاعری کی ہے۔ غالب، اقبال، اسمٰعیل میرٹھی، افسر میرٹھی اور شفیق نیر جیسے بڑے ادیبوں نے بچوں کے ادب پر لکھا ہے۔

یہاں تک بتانے کے بعد ہمارے استاد کتاب پڑھانے لگتے ہیں کہ اسی دوران ساحل نے کھڑے ہو کر استاد سے پوچھا:

استاد صاحب......''شاعری'' کو تو ہم لوگوں نے سمجھ لیا مگر ''ادب''......!!

ارے ہاں بچو......! استاد نے جواب دیا......!

دراصل 'ادب' دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک کو نثری ادب کہا جاتا ہے اور ایک کو شعری ادب۔ کہانی، افسانہ، ناول اور ڈراما نثری ادب میں شامل ہے جب کہ نظم اور غزل شعری ادب کہلاتی ہیں......!!

یہاں پر میں آپ کو ایک اور بات بتا دوں کہ اب دنیا میں بہت سے لوگ بچوں کا ادب لکھ رہے ہیں۔ بہت سے میگزین بچوں کے لیے ماہنامے اور ہفتہ وار کی شکل میں شائع ہو رہی ہیں، جن میں مزے مزے کی باتیں ہوتی ہیں۔ چٹکلے، کہانیاں، کہاوتیں، علمی مضامین، شاعری اور دنیا بھر کی سیر کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہوتا ہے۔ ایسے میگزین پڑھنے سے زبان آتی ہے اور اچھی اچھی باتیں معلوم ہوتی ہیں''

ساحل نے استاد کا شکریہ ادا کیا اور اپنی جگہ لی۔

اچانک یاسر اور ادیبہ کے ابو گھر میں داخل ہوئے......

ادیبہ دوڑ کر ابو سے لپٹ گئی......اور کہنے لگی ......ابو......کل جب آپ اپنے آفس سے گھر آئیں گے تو میرے لیے ادب کی ایک اچھی کتاب خرید لائیں گے......!

ابو نے ہاں کہتے ہوئے......ادیبہ کو گود میں اٹھا لیا......!!

■

Abdul Wahab Qasmi
Iqra Public School, Soorapur
Haq Nagar, Seewan-(Bihar)

■ حسن نظامی کیراپی

یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب برطانیہ پر ایڈورڈ ہشتم کی حکومت تھی۔ ایک دن بادشاہ سے خود ایک ایسا جرم سرزد ہوگیا جو قابل سزا تھا۔ لہٰذا ہاؤس آف کامن اور ہاؤس آف لارڈس میں بادشاہ کو سزا دینے کی تجویز پر صلاح ومشورہ شروع ہوگیا۔ جب کئی دنوں تک صلاح ومشورہ کے بعد بھی دونوں ایوان کے ارکان کسی حتمی فیصلہ کرنے میں ناکام رہے تو یہ معاملہ عدالت عظمیٰ کے سپرد کردیا گیا۔ عدالت نے اس مقدمے کی سماعت شروع کرنے سے قبل حقیقت کی جانکاری کے لیے ایک کمیشن قائم کیا جس نے چند دنوں کی تفتیش کے بعد رپورٹ پیش کردی کہ واقعی بادشاہ سے جرم سرزد ہوا ہے اور وہ مجرم ہیں۔ بادشاہ نے بھی بذاتِ خود اپنے جرم کو قبول کرلیا تھا۔

عدالت بادشاہ کو سزا دینے کے لیے کئی دنوں تک مقدمے کی سماعت کے بعد کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہی تو آخرکار چیف جسٹس کے حکم سے اس مقدمے کی ایک تفصیلی رپورٹ تیار کی گئی اور اس کی نقول برطانیہ کے زیرتسلط علاقوں میں قائم تمام عدالتوں کو بھیج دی گئیں کہ جرم کے ہر پہلو پر سنجیدگی سے غوروفکر کرکے سزا کے تعلق سے اپنی تجاویز قائم کریں۔

چیف جسٹس کے حکم کے مطابق متعلقہ عدالتوں نے ایک متعین مدت کے اندر ایسی ایسی تجاویز بھیج دیں مگر ان میں سے کوئی بھی تجویز عدالت عظمیٰ کو مطمئن نہ کرسکی۔ اسی دوران مدراس ہائی کورٹ کے سب سے پہلے جج سرفہرست سوامی ایئر کا ایک خط برطانیہ کی عدالت عظمیٰ کو موصول ہوا۔

سرفہرست سوامی ایئر نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ انصاف کے معاملے میں حاکم ومحکوم یعنی رعایا دونوں برابر ہیں۔ مجرم خواہ کوئی بھی ہو انصاف کا تقاضا اسی وقت پورا ہوگا جب مجرم کو مناسب سزا ملے۔ اس لیے بادشاہ سلامت کو ایسی سزا دی جائے جو عوام الناس کو صدیوں تک یاد رہے۔ اس لیے میری تجویز ہے کہ کم سے کم دس ہزار سکوں پر بادشاہ کی تصویر بے تاج بادشاہ کے روپ میں شائع کی جائے۔ یہ تجویز عدالت عظمیٰ کو بے حد پسند آئی لہٰذا ایک دن بھری عدالت میں بادشاہ کے لیے یہ سزا سنائی گئی تو اس فیصلے کا پرجوش انداز میں خیرمقدم کیا گیا۔ چاروں اطراف اس فیصلے کی دھوم مچ گئی۔ اس فیصلے سے جہاں انصاف کے تقاضے پورے ہوئے تھے وہیں بادشاہ سلامت کے وقار پر بھی کوئی آنچ نہیں آئی تھی۔

■

Hasan Nezami Kerapi
Road -17, H.No.116, Green Valley
P.O: Azad Nagar
Jamshedpur - 832110 (Jharkhand)

داستاں گو آیا ہے

مصنف: رتن سنگھ

مصور: فجرالدین

داستاں گو آیا ہے
اور اپنے ساتھ کہانیوں کا پٹارا لایا ہے
کون سی کہانی سنائے
یہی بات اُس کی سمجھ میں نہ آئے
اِتنے میں پٹارے سے آواز آئی
آج تو میری باری ہے بھائی
داستاں گو نے ایک بار بچوں کی طرف دیکھا
اور پھر اپنے پٹارے میں جھانکا
کہانی ہری بھری تھی
دیکھنے میں بہت ہی بھلی تھی۔
اُس نے اُسی کو نکالا
اور یوں گویا ہوا

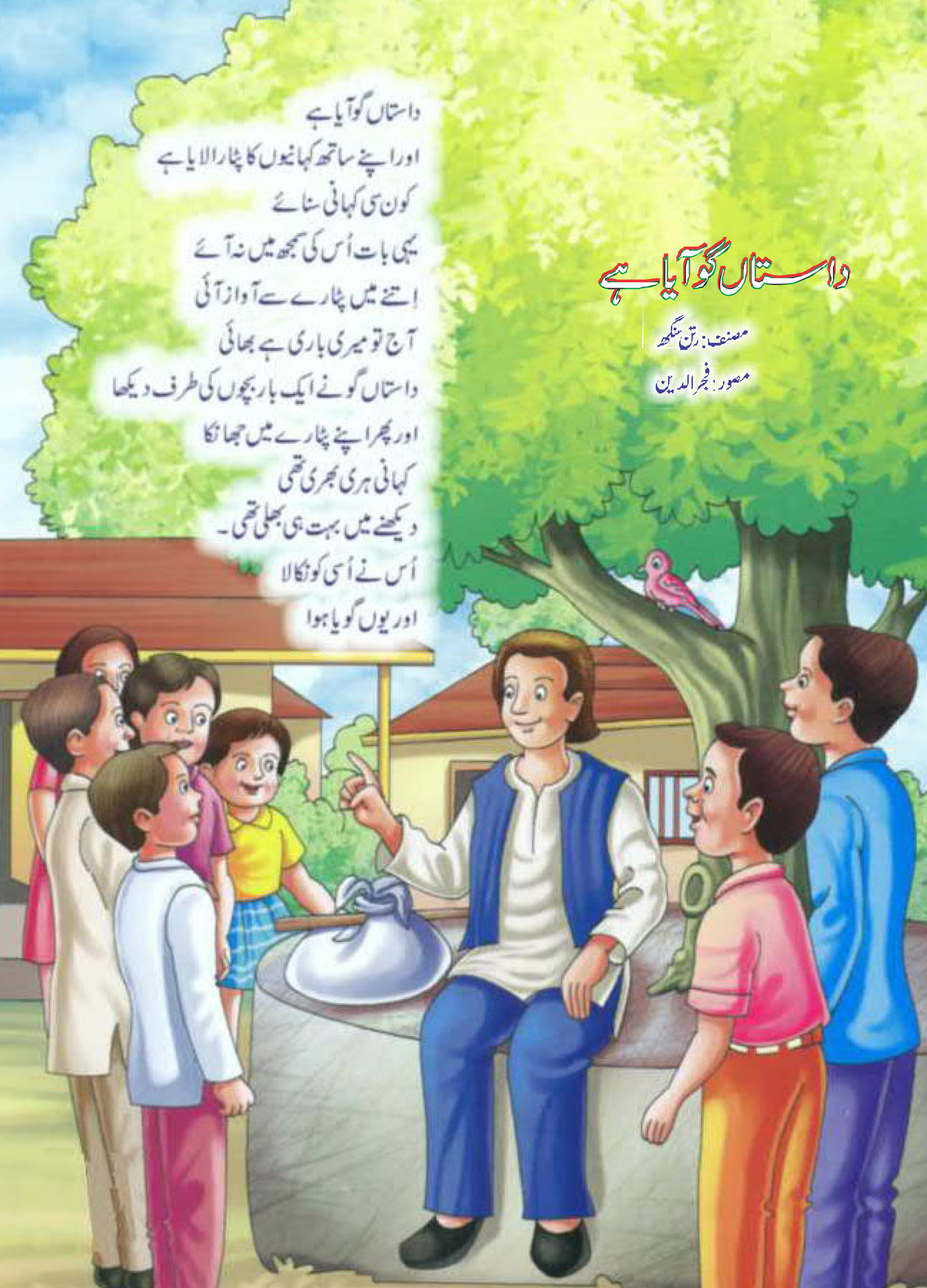

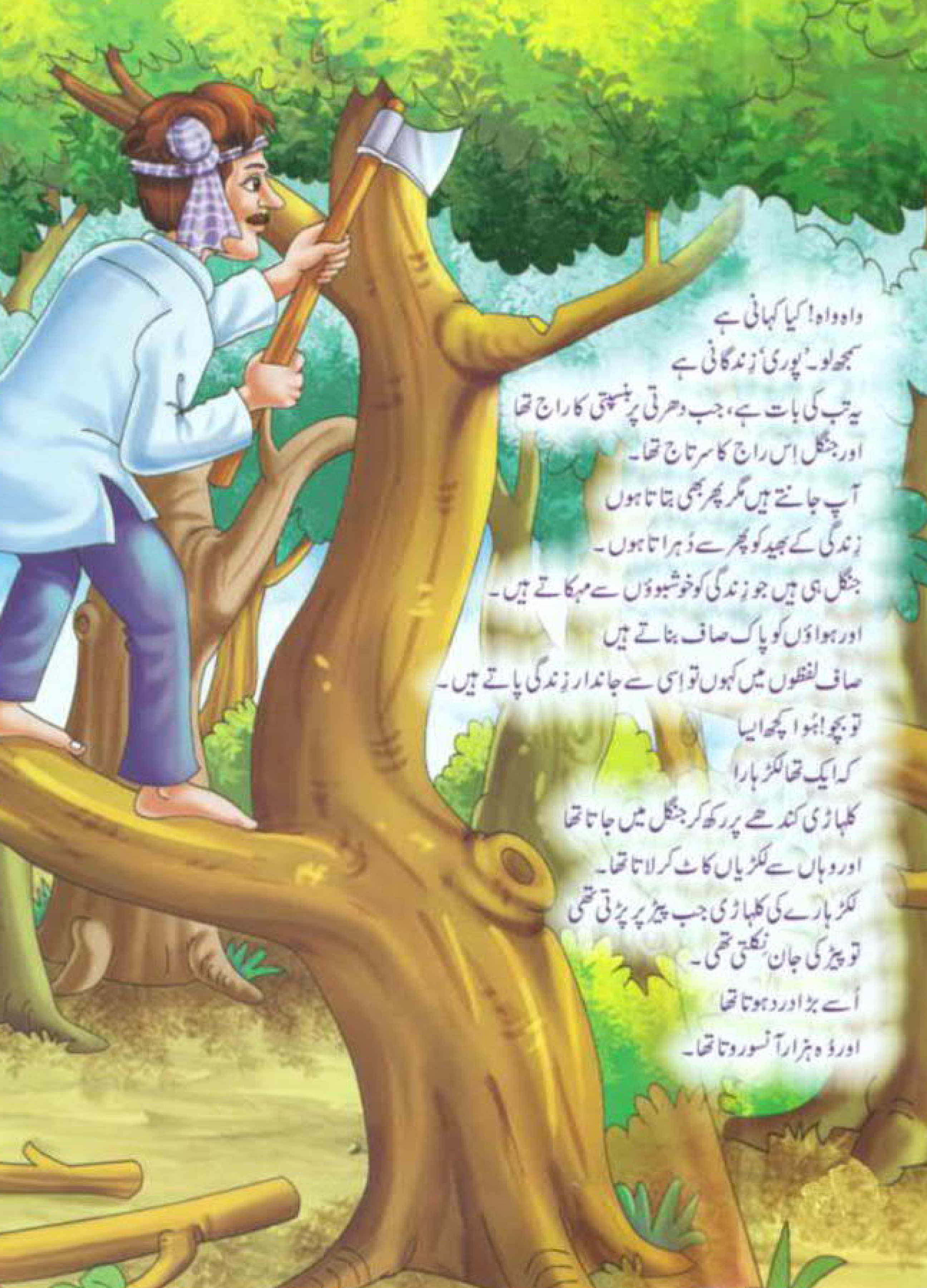

واہ واہ! کیا کہانی ہے
سمجھ لو۔ 'پوری' زندگانی ہے
یہ تب کی بات ہے، جب دھرتی پر ہریالی کا راج تھا
اور جنگل اس راج کا سرتاج تھا۔
آپ جانتے ہیں مگر پھر بھی بتاتا ہوں
زندگی کے بھید کو پھر سے دُہراتا ہوں۔
جنگل ہی ہیں جو زندگی کو خوشبوؤں سے مہکاتے ہیں۔
اور ہواؤں کو پاک صاف بناتے ہیں
صاف لفظوں میں کہوں تو اسی سے جاندار زندگی پاتے ہیں۔
تو بچو! ہوا کچھ ایسا
کہ ایک تھا لکڑہارا
کلہاڑی کندھے پر رکھ کر جنگل میں جاتا تھا
اور وہاں سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا تھا۔
لکڑہارے کی کلہاڑی جب پیڑ پر پڑتی تھی
تو پیڑ کی جان نکلتی تھی۔
اُسے بڑا درد ہوتا تھا
اور وہ ہزار آنسو روتا تھا۔

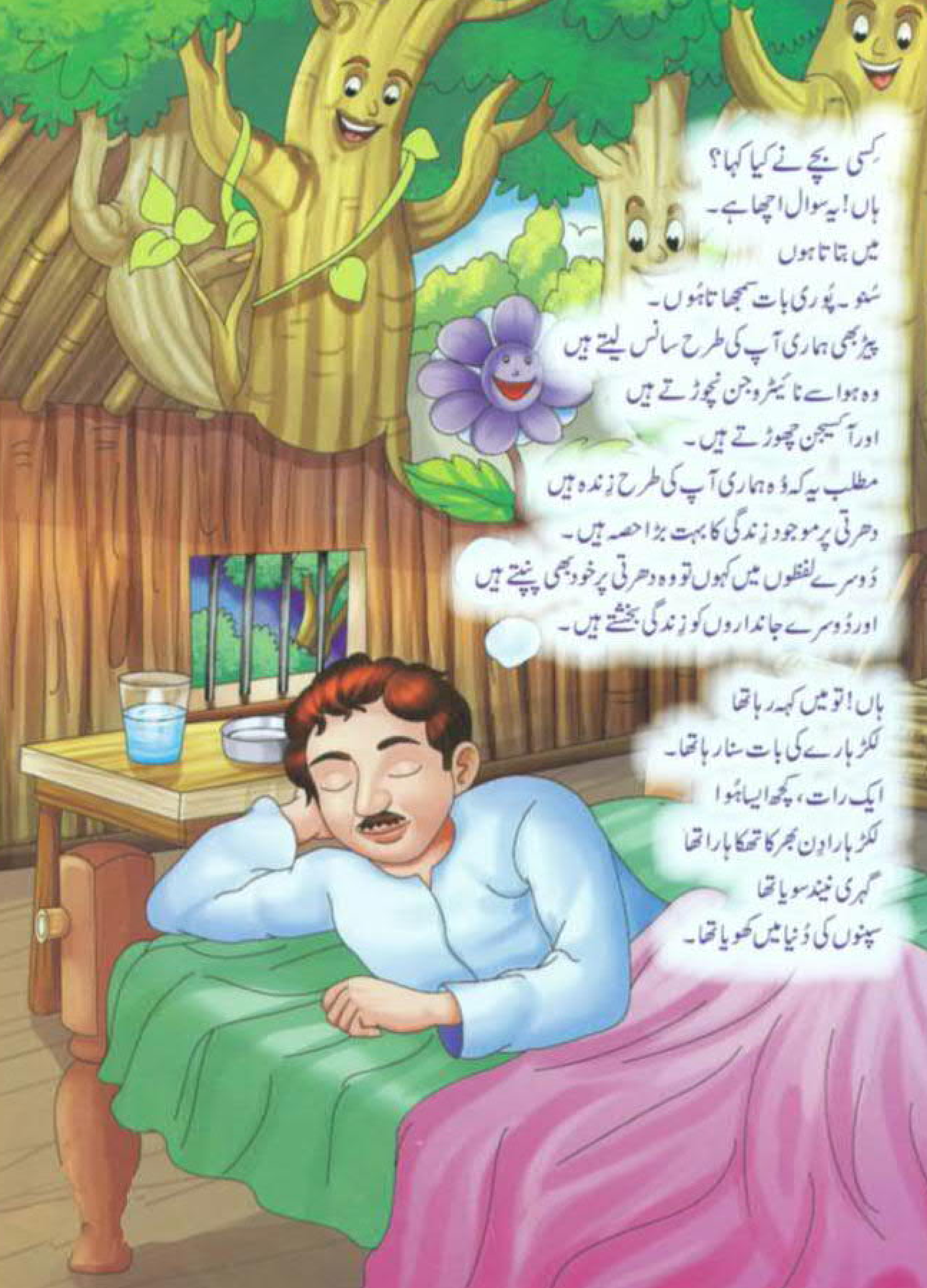

کسی بچے نے کیا کہا؟
ہاں! یہ سوال اچھا ہے۔
میں بتاتا ہوں
سُنو۔ پُوری بات سمجھاتا ہوں۔
پیڑ بھی ہماری آپ کی طرح سانس لیتے ہیں
وہ ہوا سے نائیٹروجن نچوڑتے ہیں
اور آکسیجن چھوڑتے ہیں۔
مطلب یہ کہ وُہ ہماری آپ کی طرح زندہ ہیں
دھرتی پر موجود زندگی کا بہت بڑا حصہ ہیں۔
دُوسرے لفظوں میں کہوں تو وہ دھرتی پر خود بھی پنپتے ہیں
اور دُوسرے جانداروں کو زندگی بخشتے ہیں۔

ہاں! تو میں کہہ رہا تھا
لکڑہارے کی بات سنا رہا تھا۔
ایک رات، کچھ ایسا ہُوا
لکڑہارا دن بھر کا تھکا ہارا تھا
گہری نیند سویا تھا
سپنوں کی دُنیا میں کھویا تھا۔

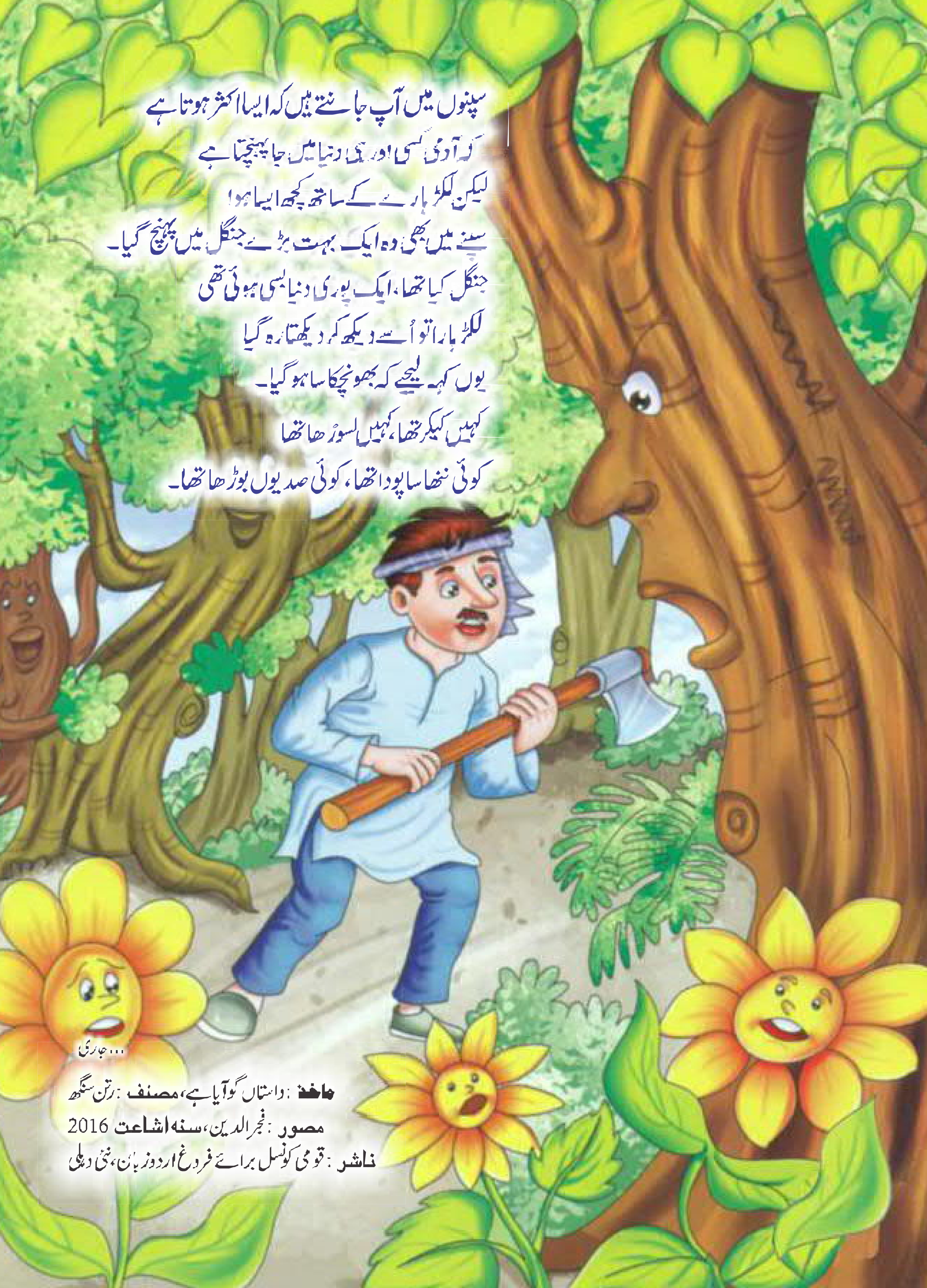

سپنوں میں آپ جانتے ہیں کہ ایسا اکثر ہوتا ہے
کہ آدمی کسی اور ہی دنیا میں جا پہنچتا ہے
لیکن لکڑہارے کے ساتھ کچھ ایسا ہوا
سپنے میں بھی وہ ایک بہت بڑے جنگل میں پہنچ گیا۔
جنگل کیا تھا، ایک پوری دنیا بسی ہوئی تھی
لکڑہارا تو اُسے دیکھ کر دیکھتا رہ گیا
یوں کہہ لیجیے کہ بھونچکا سا ہو گیا۔
کہیں کیکر تھا، کہیں لسوڑھا تھا
کوئی ننھا سا پودا تھا، کوئی صدیوں بوڑھا تھا۔

... جاری

ماخذ : داستاں گو آیا ہے، **مصنف** : رتن سنگھ
مصور : فخرالدین، **سنہ اشاعت** 2016
ناشر : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

حیدر بخش حیدری

اب تک آپ نے پڑھا کہ

ملک یمن میں بادشاہ طے کا شریف اور سخی بیٹا حاتم تھا۔ وہ لوگوں کی بھلائی اور دوسروں کی مدد کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتا تھا۔ خراسان کے ایک سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کی خوب صورتی کے چہار سو چرچے تھے۔ برزخ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپ دی تھی۔ حسن بانو بڑی نیک دل تھی۔ اس نے اپنے سوداگر باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنی شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر اس کی دایہ نے اُسے روکا کہ ابھی تمہاری بہت لمبی عمر ہے ایسے دولت نہ ختم کرو۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک شریک حیات کا انتخاب کرو۔ اچھے قابل اور بہادر انسان کی تلاش کے لیے سات سوال کرو۔ جو نوجوان سارے سوالات حل کر لے اُس سے شادی کرو اور چین وسکون کی زندگی گزارو۔ اسی بیچ ایک جعلی بزرگ نے حسن بانو کی ساری دولت لوٹ لی۔ حسن بانو اور اس کی بوڑھی دایہ ایک جنگل میں رہنے لگے۔ ایک رات حسن بانو کو خواب میں نظر آیا کہ جس درخت کے نیچے وہ سو رہی ہے وہاں سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ حسن بانو نے اٹھ کر دایہ کو اپنا خواب بتایا اور دونوں نے اس خزانے کو حاصل کیا اور جنگل میں عالی شان محل بنا کر رہنے لگیں۔ کچھ دنوں بعد حسن بانو نے ایک لڑکے کا بھیس بدلا اور خراسان کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی عقل مندی سے اُس جعلی پیر کی حقیقت سب کے سامنے لا دی۔ بادشاہ نے حسن بانو کی ساری دولت واپس کر دی۔ شہر خوارزم کے شہزادے منیر شامی کو حسن بانو کے حسن کا علم ہوا۔ وہ حسن بانو کی محبت میں گرفتار ہو کر حسن بانو سے ملنے آ پہنچا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن بانو نے شرط رکھی کہ میرے ساتوں سوالوں کا جواب لا دو پھر میں تم سے شادی کروں گی۔ منیر شامی نے پہلا سوال دریافت کیا اور جواب ڈھونڈھنے نکل پڑا لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کی ملاقات حاتم سے ہوتی ہے۔ حاتم اسے دلاسا دیتا ہے اور حسن بانو کے پاس منیر شامی کو رکھ کر وہ پہلے سوال کا جواب لانے نکل پڑتا ہے۔ حاتم ایک جنگل میں پہنچا جہاں اُسے ایک ہرنی ملتی ہے۔ حاتم نے ایک بھیڑیے سے ہرنی کی جان بچائی اور آگے نکل گیا۔ کچھ مہینوں کے بعد حاتم نے دشت ہویدا کی راہ لی جہاں اسے پہلے سوال کا جواب ملنا تھا۔ بڑی مشکل سے حاتم دشت ہویدا پہنچے اور

اس شخص سے ملاقات کی جو جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ حاتم نے اس کی مشکل آسان کر دی اور پہلے سوال کا جواب تلاش کر لیا۔ حاتم واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس سے دوسرا سوال پوچھا اور اس کا جواب لانے نکل پڑا۔

راستے میں اُسے ایک نوجوان ملا۔ حاتم نے اپنی بہادری سے اس کی مشکل حل کی اور اس کی شادی کرائی۔ اس کے بعد حاتم آگے بڑھا۔ راستے میں اس نے ایک بستی والوں کو ایک بلا سے نجات دلائی۔ ایک شہزادی کو جن سے آزاد کرایا اور اس شہزادی سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد حاتم یوسف سوداگر کے کام کے لیے چین کی جانب چل پڑا اور یوسف سوداگر کی دولت زمین سے نکال کر خیرات کی۔ واپس وہ یوسف سے ملنے آیا جہاں اب اس کی سزا ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حاتم نے نیکی کر اور دریا میں ڈال کا بھید معلوم کیا اور واپس جا کر حسن بانو سے ملا اور تیسرے سوال ''کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔'' کا جواب لانے نکل پڑا۔

حاتم کو کافی دیر چلنے کے بعد ایک بڑا پہاڑ دکھائی دیا جس پر ایک نوجوان پریشان حال کھڑا تھا۔ حاتم نے اس کا حال دریافت کیا اور اس کی پریشانی دور کی۔ بہت ساری مشکلات اور پریشانیوں کے بعد حاتم اپنی منزل پر پہنچتا ہے جہاں ایک نابینا بوڑھا آدمی موجود تھا جو چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔ حاتم نے اس کی داستان سنی اور نوریز گھاس کا عرق لا کر اُس کی آنکھوں میں ڈالا جس سے اُس کی آنکھوں کی روشنی واپس آ گئی۔ حاتم نے اسے خدا حافظ کہا اور واپس حسن بانو کے پاس پہنچا اور چوتھا سوال بتانے کی درخواست کی۔

حسن بانو نے حاتم سے کہا کہ چوتھے سوال ''سچے کو ہمیشہ رحاحت ہے'' کا جواب لے کر آ۔ حاتم شاہ آباد سے نکلا اور چلتے چلتے پریوں اور جادوگروں کے پاس پہنچا اور احمر جادوگر کی بیٹی سے شادی کر لی۔ شادی کے لیے حاتم کو ملاق اور احمر جادوگر سے جنگ کرنی پڑی۔ حاتم نے حضرت خضر کے سکھائے اسم اعظم کی مدد سے سب کو زیر کر لیا۔ اُس کے بعد چوتھے سوال کا بھید معلوم کیا اور واپس حسن بانو کی حویلی پہنچا اور پانچواں سوال پوچھا۔ حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں کوہِ ندا کی خبر لانی ہے۔ حاتم نکل پڑا۔ حاتم کئی بستیوں، علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچا اور ایک موذی بلا سے جنگل کے جانوروں اور قریب میں رہنے والے لوگوں کو نجات دلائی۔ اس کے بعد حاتم نے کوہ ندا کا حال معلوم کیا اور حسن بانو کو جا کر بتایا اور چھٹے سوال کی فرمائش کی۔

حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں کوہِ ندا کی خبر لانی ہے۔ حاتم نکل پڑا۔ حاتم کئی بستیوں، علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچا اور ایک موذی بلا سے جنگل کے جانوروں اور قریب میں رہنے والے لوگوں کو نجات دلائی۔ اس کے بعد حاتم نے کوہ ندا کا حال معلوم کیا اور حسن بانو کو جا کر بتایا اور چھٹے سوال کی فرمائش کی۔

حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں مرغابی کے انڈے کے برابر موتی لانا ہے۔ میرے پاس ایک موتی ہے اس کا جوڑا تلاش کر کے لاؤ۔ حاتم حسن بانو سے اجازت لے کر منیر شامی سے ملنے آیا اور پھر موتی کی تلاش میں نکل پڑا۔ ایک ست رنگی چڑیا نے حاتم کی مدد کی اور اسے ماہ یار سلیمانی تک پہنچنے کا راستہ بتایا جس کے پاس وہ موتی تھا۔ حاتم نے ایک لومڑی کے بچے کو قید سے چھڑایا پھر برزخ کے جزیرے کا رخ کیا۔ راستے میں حاتم نے شمس شاہ نام کے ایک پری زاد کی مدد کی۔ حاتم شہزادہ مہر آور سے ملا اور اس کی شادی ماہ یار سلیمان کی بیٹی سے کرائی اور ماہ یار سلیمانی سے موتی کی حقیقت بیان کی اور وہ موتی لے کر واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس کو موتی سونپ کر اس سے ساتویں اور آخری سوال کی بابت دریافت کیا۔

ساتواں سوال

حمام بادگرد کی خبر لانا

ساتدن تک حاتم منیر شامی کے ساتھ سرائے میں رہا۔ آٹھویں دن حسن بانو کی خدمت میں پہنچا اور پوچھا کہ ساتواں سوال کیا ہے۔ وہ بولی "میں نے سنا ہے ایک حمام ہے جو دن رات چکی کی طرح گھومتا رہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو لوگ اس میں نہاتے کیونکر ہیں؟ اس بھید کا پتہ لگا۔" حاتم نے کہا "اس حمام کا کچھ اتا پتا تو بتاؤ۔" حسن بانو بولی "بس اتنا سنا ہے کہ وہ دکن کی طرف ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں معلوم۔"

حاتم ساتواں سوال سن کر شاہ آباد سے نکلا اور جنگل کی راہ لی۔ چلتے چلتے ایک شہر میں جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کنویں کے چاروں طرف بھیڑ جمع ہے۔ حاتم نے پوچھا "کیا ماجرا ہے؟" کسی نے کہا "یہاں کے حاکم کا بیٹا دیوانہ ہو کر کنویں پر بیٹھ رہا تھا۔ آج تیسرا دن ہے کہ وہ کنویں میں کود پڑا۔ اس کے ماں باپ کا روتے روتے برا حال ہے۔ ہزار کانٹے اور رسیاں ڈالتے ہیں مگر اس کی لاش بھی ہاتھ نہیں آتی۔ لاش مل جاتی تو شاید ماں باپ اُس کو دیکھ کر بسر کر لیتے۔"

اتنے میں اُس کے ماں باپ روتے پیٹتے وہاں آپہنچے۔ ان کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ حاتم کا دل بھی بھر آیا۔ بولا "اتنا نہ گھبراؤ۔ میں اللہ کی راہ میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہوں۔ بس یہی آرزو ہے کہ میری جان کسی کے کام آئے۔ میں ابھی کنویں میں کودتا ہوں۔ تم میرا انتظار کرنا۔" یہ کہہ کر حاتم کنویں میں کود گیا۔ پاؤں تہہ سے ٹکے تو حاتم نے آنکھیں کھول دیں۔ اب کنواں تھا نہ پانی بلکہ ایک کھلا میدان تھا۔

حاتم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ دور ایک موتیوں جڑا تخت نظر آیا۔ اُس پر ایک خوب صورت نوجوان بیٹھا تھا۔ اُس کے چاروں طرف پریاں جمع تھیں۔ حاتم چپکے چپکے قریب پہنچا اور گھنے درختوں میں چھپ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اتنے میں پریوں کی نظر حاتم پر پڑ گئی اور وہ چیخ اٹھیں۔

ان میں ایک پری جو سب سے خوب صورت تھی اور صورت سے ان کی سردار معلوم ہوتی تھی وہ جوان کے پاس

تخت پر بیٹھی تھی۔ اُس نے نوجوان سے کہا ”تمھارا ایک بھائی بند اور یہاں آ پہنچا۔ اگر کہو تو اسے بھی یہاں بلالیں۔“ وہ بیچارہ شاید آدمی کو ترس گیا تھا۔ بولا ”ہاں میرا بھی یہی جی چاہتا ہے۔“ یہ جواب سن کر وہ پریوں سے بولی ”جاؤ اور اُس نوجوان کو ادب سے یہاں لے آؤ۔“

وہ آئیں اور حاتم کو تخت کے قریب لے آئیں۔ ان دونوں نے اٹھ کر حاتم کا استقبال کیا، تخت پر جگہ دی اور مزاج پوچھا۔

حاتم نے اپنے سفر کا حال بتایا اور کنوئیں پر جو کچھ دیکھا تھا وہ سب بھی سنایا۔ پھر اس نوجوان سے کہا ”اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کنوئیں میں کودنے والا نوجوان تو ہی ہے یا کوئی اور؟“

نوجوان نے کہا ”ہاں میں ہی وہی شخص ہوں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میں اُس کنوئیں پر آنکلا۔ اتفاق سے یہ حسینہ جو میرے برابر بیٹھی ہے مجھے نظر آ گئی۔ میں اس کی محبت میں باولا بن گیا اور اس کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ آخر اس باغ میں پہنچا اور اِسے پالیا۔ اب زندگی چین سے کٹ رہی ہے۔“

حاتم نے کہا ”تو یہاں رنگ رلیاں منا رہا ہے اور وہاں تیرے ماں باپ کی حالت تباہ ہے۔“ نوجوان نے کہا ”ان سے ملنے کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ حسین پری اجازت دے تو جاسکتا ہوں۔“ حاتم نے پری سے کہا ”اللہ کے واسطے اسے دو چار دن کے لیے اجازت دے دے۔“ پری مسکرا کر بولی ”نہ اسے کسی نے جانے سے منع کیا، نہ کوئی اسے یہاں لایا۔ یہ خود ہی دیوانہ ہوکر چلا آیا۔“

حاتم نے نوجوان سے کہا ”چل اٹھ کھڑا ہو۔ تجھے اجازت مل گئی۔“ یہ سن کر وہ ظالم بولی ”اِسے اجازت نہیں کہتے۔“ حاتم نے یہ سنا تو سر جھکا لیا۔ پھر کہا ”خدا کے واسطے تو اس کے ماں باپ پر رحم کر۔“ پری نے کہا ”ہماری قوم کی یہ چال نہیں۔ یہ پھیکے چونچلے ہمیں نہیں بھاتے۔ آدم زاد بے وفا ہوتے ہیں۔ یہ جھوٹا لپاٹیا ہے۔ مجھے دل سے نہیں چاہتا۔“

جوان بولا ”ٹھیک کہتی ہو۔ اپنی قسمت ہی خراب ہے۔ تمھارے لیے گھر بار چھوڑا۔ جان سے ہاتھ دھو کر کنوئیں میں گرا۔ کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں۔ پھر بھی تم مجھے بے وفا کہتی ہو۔“ اِس پر پری نے کہا ”میں تو تیری چاہت کو اس وقت سچ مانوں

گی جب تو میرا کہا بجا لائے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا ''میں حاضر ہوں جو حکم ہو بجا لاؤں۔'' بتاؤ۔ دیر نہ کرو۔''

پری نے اپنے خادموں کو حکم دیا ''ایک کڑھاؤ میں گھی بھر کے چولھے پر چڑھاؤ جب گھی کڑکڑائے تو مجھے خبر کرو۔'' جب گھی کھولنے لگا تو اس نے نوجوان کا ہاتھ پکڑ کے کہا ''کیوں جی! تم ہمیں چاہتے ہو تو اِس میں کود پڑو۔''

جوان خوشی خوشی کڑھاؤ کی طرف چلا۔ چاہتا تھا کہ آپ کو اس میں گرا دے۔ اتنے میں پری دیوانوں کی طرح دوڑ پڑی اور اس کے گلے سے لپٹ گئی۔ بولی ''آج سے میں تیری کنیز ہوں۔ اب جو تو کہے سو کروں۔'' اس کے بعد پھر راگ رنگ کی محفلیں جمنے لگیں۔ اسی میں ایک مہینہ اور بیت گیا۔

حاتم نے کہا ''مجھے لمبے سفر پر جانا ہے۔ اب رخصت چاہتا ہوں مگر جی چاہتا ہے کہ جانے سے پہلے ایک بار تجھے تیرے ماں باپ سے ملا دیتا۔'' پری بول اٹھی ''بہت بہتر۔'' پھر پریوں کو حکم دیا ''ان دونوں کو فوراً کنویں پر پہنچا آؤ۔'' انھوں نے پلک جھپکتے دونوں کو لے جا کر کنویں پر بٹھا دیا۔

کنویں پر لوگ جمع تھے اور ابھی تک حاتم کا انتظار کر رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ نوجوان کے ماں باپ دوڑ کر حاتم کے قدموں پر گر پڑے۔ دونوں خوشامد کر کے حاتم کو بھی اپنے گھر لے گئے۔ اُسے چودہ دن تک اپنے گھر مہمان رکھا۔ بڑی خاطر کی۔

پندرہویں دن حاتم ان سب سے رخصت ہو کر جنگل کی طرف چل دیا۔ ایک مدت کے بعد ایک بستی نظر آئی۔ شہر پناہ کے باہر ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ وہ حاتم کو اپنے گھر لے آیا۔ پوچھا ''اے جوان! تیرا کیا نام ہے۔ کہاں جائے گا؟'' یہ بولا ''حاتم نام ہے۔ حمام بادگرد کی خبر کو جاتا ہوں۔''

اُس نے سر نیچا کر لیا۔ گھڑی بھر کے بعد سر اٹھا کے کہا ''اے عزیز! پہلی بات تو یہ ہے اس کا پتہ معلوم نہیں۔ دوسرے جو وہاں جانے کا ارادہ کرے وہ پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھو لے۔ راستے میں قطان کے بادشاہ حارس نے چوکی بٹھائی ہے کہ جو کوئی اس حمام کو پوچھتا ہوا آئے، پہلے اُسے میرے پاس لاؤ۔ معلوم نہیں وہ کیوں بلاتا ہے۔ نہ جانے جیتا چھوڑتا ہے یا مار ڈالتا ہے۔ اے جوان! اپنی جوانی پر ترس کھا۔ یہیں سے لوٹ جا۔ وہاں کا جانا جہان سے جانا ہے۔''

حاتم نے کہا ”اے نیک دل بزرگ! تو جو کچھ کہتا ہے، میری ہی بھلائی کے لیے کہتا ہے لیکن جو بات خدا کے واسطے ہو اُس سے پھرنا اچھا نہیں۔ تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ ہاں اگر شہر قطان کا راستہ جانتا ہے تو مجھے بتا دے جو میں اپنی راہ لگوں۔“

بزرگ نے دیکھا اس کا ارادہ اٹل ہے تو ساتھ ہولیا اور شہر کے باہر جا کر کہا ”اے مسافر! قطان کے دو راستے ہیں تو بائیں طرف کے راستے سے سیدھا چلا جا۔ تو کئی شہروں اور قصبوں سے گزرے گا۔ اس کے بعد ایک پہاڑ نظر آئے گا۔ وہاں ہزاروں آفتیں اور لاکھوں بلائیں ہیں۔ اگر تو ان سے بچ کر اوپر پہنچ گیا تو ایک بہت بڑا میدان نظر آئے گا۔ اُس سے گزرتا ہوا بائیں طرف کو چلا جائیو۔ شہرِ قطان میں جا پہنچے گا۔ داہنی طرف کا راستہ قریب کا ہے مگر اس میں اَن گنت آفتیں ہیں۔ اُدھر سے ہرگز نہ جائیو۔ اگر میرا کہا نہ مانے گا مصیبت میں پھنسے گا۔“

غرض حاتم اُس سے رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ چند روز بعد ایک شہر نظر آیا۔ نقاروں کی آواز گونج رہی تھی۔ ہر طرف ناچ رنگ تھا۔ حاتم نے لوگوں سے پوچھا ”کیا قصہ ہے۔ کیا اِس شہر میں شادی ہے؟“ کسی نے جواب دیا ”اِس شہر میں یہ دستور ہے کہ سال کے آخری دن امیر غریب سب، بلکہ بادشاہ اور وزیر بھی اپنی اپنی جوان لڑکیوں کو بنا سجا کر ایک خیمے میں بٹھا دیتے ہیں۔ پھر ایک بڑا سا سانپ جنگل کی طرف سے آتا ہے اور ایک جوان کی شکل بنا کر خیمے میں جاتا ہے۔ سب کو دیکھ کر کسی ایک کو پسند کرتا ہے اور اُسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ ہم نے ڈر کر شادی اور خوشی کا ڈھونگ رچایا ہے۔ ہر ایک کو یہی دھڑکا ہے کہ کس کی بیٹی کی موت آتی ہے۔ آج تو نقارے بجتے دیکھتا ہے۔ کل چھاتی پیٹتے دیکھیو۔ ایک دن کی شادی اور ساری زندگی کا غم۔“

یہ کہتا سنا کر وہ تو آہ بھر کے چپ ہو رہا۔ حاتم نے جی میں کہا ”یہ کام جن کا ہے۔ وہ سانپ نہیں۔“ پھر ان سے کہا ”اِس آفت کو میں اِسی رات تمھارے سر سے دفع کرتا ہوں۔“ یہ سنتے ہی لوگ اُسے ہاتھوں ہاتھ بادشاہ کے پاس لے گئے اور اس کی کہی ہوئی بات دہرائی۔

بادشاہ نے کہا ”اے جواں مرد! اگر تو کسی طرح اِس مصیبت سے نجات دلا دے تو میں اور میری ساری فوج اور رعایا تجھے اپنا بادشاہ مان لیں۔“ حاتم نے کہا ”تمھارا تاج اور

تخت تمھیں مبارک ہو۔ میں جو کام کرتا ہوں اللہ کے لیے کرتا ہوں۔ اگر یہ کام کروں گا تو کسی پر احسان نہ ہوگا۔" بادشاہ نے کہا "بہت خوب۔"

پھر حاتم نے کہا "ایک کام کرنا ہوگا۔ جب وہ آئے اور کسی کی لڑکی پسند کر کے لے چلے تو لڑکی کا باپ اس کے پاس جائے۔ کہے "صاحب! تمھیں اِس لڑکی کو لے جانے کا اختیار ہے مگر ایک بات سن لو۔ ہمارا ایک سردار مدت کے بعد آج آیا ہے۔ ہم اُس کی اجازت کے بغیر لڑکی کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتے۔ اگر وہ بگڑ گیا تو ایک پل میں جلا کے خاک کر دے گا۔" سب نے کہا "ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کریں گے۔"

بادشاہ نے تمام دن حاتم کو اپنے پاس بٹھائے رکھا۔ شام ہوئی تو غل ہوا کہ سانپ آتا ہے، سانپ آتا ہے۔ حاتم بادشاہ کے خیمے سے باہر نکلا۔ دیکھا کہ ایک اژدہا آسمان سے سر لگائے چلا آتا ہے۔ ڈیل ایسا ہے کہ جو پتھر اُس کے نیچے آتا ہے پس کر سرمہ ہو جاتا ہے۔ یکایک سانپ نزدیک آیا اور اپنی دُم سخت کر کے اس طرح ہلائی کہ جتنے لوگ وہاں موجود تھے اوندھے گر پڑے۔ پھر چاروں طرف دیکھا اور زمین پر لوٹ پوٹ کے ایک خوب صورت جوان بن گیا۔ بادشاہ اُسے لے کر اپنے خیمے میں آیا اور جڑاؤ تخت پر بٹھایا۔ وہ بیٹھتے ہی بولا "اپنی اپنی لڑکیاں مجھے دکھاؤ۔"

وہاں سے نکل کر وہ لڑکیوں کے خیمے میں گیا اور کسی کو پسند کیے بغیر باہر نکل آیا۔ بادشاہ کے خیمے میں آیا اور جہاں شہزادی بیٹھی تھی وہاں جا کر بولا "یہی مجھے پسند ہے۔ اِسے میرے حوالے کر دو۔"

بادشاہ نے کہا "ہمارے شہر کا ایک سردار جو ہمارے ایک بزرگ کا بیٹا ہے، وہ آج ہی واپس آیا ہے۔ اُسے بلاتے ہیں۔ جیسا حکم وہ دے گا ویسا ہی کریں گے۔" اس نے کہا "وہ آج تک کہاں تھا۔ آج کیسے آیا؟ خیر بلاؤ۔"

فوراً حاتم کو بلایا گیا۔ جوان نے اُس سے پوچھا "تو کون ہے؟ یہاں کیوں آیا ہے؟ تو ہمارے فرماں برداروں کو بہکا کر کیوں اِس شہر کو برباد کرانا چاہتا ہے؟"

حاتم نے کہا "جب تک میں اِس شہر میں نہ تھا، انھوں نے تیرا کہا کیا۔ اب میں اس ملک کا مالک ہوں۔ اب میری بات سن۔ جو ہمارے باپ دادا کی رسمیں پوری کرتا ہے، بیٹی اس کو دیتے ہیں۔" جوان نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" حاتم نے کہا "میرے پاس ایک مہرہ ہے۔ پہلے تو وہ گھس کر پلاتے ہیں۔" وہ بولا "یہ رسم ہے تو لے آ۔"

حاتم نے وہ مہرہ پانی میں گھسا۔ جوان پانی لے کر پی گیا۔ اُس کا یہ اثر ہوا کہ جو جو علم اُسے یاد تھا سب بھول گیا مگر سمجھا کچھ نہیں۔ پھر ڈھٹائی سے بولا "اب کوئی رسم اور رہ گئی ہو تو اُسے پورا کرنے کو بھی حاضر ہوں۔"

حاتم نے کہا "دوسری رسم یہ ہے کہ ایک مٹکے میں اُترو اور پھر نکل کر دکھاؤ۔" اس نے کہا "مٹکا منگاؤ۔" حاتم نے مٹکا منگایا۔ وہ اُس میں اُتر گیا۔ حاتم نے منہ پر پتھر رکھ کے اسمِ اعظم پڑھنا شروع کر دیا۔ اُس کی برکت سے ڈھکنا پہاڑ سے زیادہ بھاری ہو گیا۔ بہت زور کیا مگر نکل نہ سکا۔ حاتم نے لوگوں سے کہا "اب اِس کو لکڑیوں میں دبا کر آگ لگا دو۔" انھوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ جن تو تھا ہی جل کر بھسم ہو گیا۔

(جاری)

■

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، مرتب: نورالحسن نقوی
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

بچوں کا کتب خانہ

اظہر ابرار

متین اچل پوری ایک خلاق ذہن کے مالک ہیں۔ اردو دنیا میں بچوں کے شاعر کی حیثیت سے وہ نہایت معروف و مقبول ہیں۔ 'یتیم کی آواز' اُن کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اُن کے قلم میں انوکھی روانی بھی ہے اور زبان میں نرالی مٹھاس بھی۔ وہ استاد ہونے کی وجہ سے باتوں باتوں میں بچوں کو نصیحت کرنا بخوبی جانتے ہیں۔ اِس کتاب میں تمام کہانیاں معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپی سے خالی نہیں۔ آپ بچوں کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف ہیں اور الفاظ کو برتنے کا ہنر بھی خوب جانتے ہیں، عصر حاضر میں ہندوستان بھر میں جو قلم کار بچوں کے لیے ادب تخلیق کر رہے ہیں ان میں موصوف امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان کی ہر کہانی کی ابتداء کسی مخصوص فکر کے ساتھ ہوتی ہے اور کہانی آگے بڑھتے ہوئے قارئین کی بھی دلچسپی قائم رکھتی ہے ساتھ ہی جب کہانی ختم ہوتی ہے تو بڑی آسانی سے مسائل کا حل سامنے آتا ہے۔ یہ کہانیاں مخصوص عمر کے بچوں کے ذہن کو دھیان میں رکھتے ہوئے لکھی گئی ہیں۔ جو ان میں بیداری پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں حرکت و عمل پر بھی اکساتی ہیں۔ کسی کہانی میں یتیم ارسلان اپنی خواہش پوری ہونے پر خوش نظر آتا ہے تو کہیں عمر نام کا ایک ننھا سا بچہ معصوم زخمی پرندے کو اپنے ننھے ہاتھوں سے اڑا کر خوش ہو جاتا ہے۔ کئی بار اسکول میں کی گئیں نصیحتیں کمسن بچوں پر گہرے نقوش ثبت کر جاتی ہیں جس کی بہترین مثال 'جھوٹ موٹ' میں ننھی بچی صادقہ ہے جو اپنی معصوم زبان سے سچائی کی عظمت بیان کرنے کی جرات رکھتی ہے۔ 'نئی سحر' میں جہاں اصغر صاحب اپنی بیٹی سحر کی نمازیں پابندی سے نہ پڑھنے کی وجہ سے پریشان

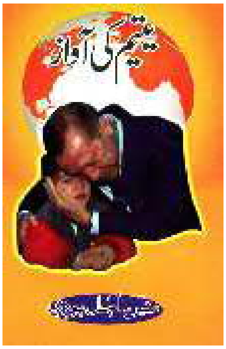

دکھائی دیتے ہیں اور اسے تاکید نہیں کر پاتے تو وہیں یہ کام استانی جی بخوبی انجام دیتی ہیں۔ سحر آئندہ پھر کبھی شرمندہ ہونے کی بجائے اب کی بار فیصلہ کرتی ہے کہ وہ پنج وقتہ نمازوں کی پابند بن جائے گی۔ جفت عدد، طاق عدد میں کہانی کار نے جہاں دلی کے لیے اس فارمولے کو ٹریفک کا حل بتایا ہے وہیں رشید اور متل کے لیے بھی یہ فارمولہ کارآمد ثابت ہو کر آپسی رنجش کو ختم کر کے خیر سگالی کا پیغام لے آتا ہے اور وہ دونوں پھر سے اچھے دوست بن جاتے ہیں۔ اس کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کہانی کار کی نظریں عصر حاضر میں رونما ہو رہے واقعات پر بھی جمی ہوئی ہیں۔ 'کامیابی' میں یہ جملہ ''اچھے لوگ اچھے دوستوں کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔'' فرحان کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔

'لکی ہوائے' کو ہم ایک بہترین کہانی اس لیے بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس طرح کہانیاں نصابی کتابوں میں کم نظر آتی ہیں جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ کہانی موجودہ دور میں کتابوں کے مطالعہ کی کمی کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ کہانی میں اصغر کے حوالے سے اس بات کو ظاہر کیا گیا ہے کہ عقلمندی سے کس طرح بڑے حادثے ٹالے جا سکتے ہیں۔ کتب بینی سے اصغر کو فائدہ ہوتا ہے جبکہ ظاہری شہرت اکبر کو نقصان پہنچا دیتی ہے اور لکی ہوائے کے اعزاز کا حقدار اصغر ہو جاتا ہے۔

جہاں مجموعے میں 'دوستی' ایک نمائندہ کہانی کی حیثیت

رکھتی ہے وہیں وہ چند چبھتے ہوئے سوال بھی کھڑے کر دیتی ہے۔ کہانی میں قومی یکجہتی جیسے نازک جذبے کو سمجھانے کی کوشش بھی کی گئی گوکہ ان دونوں دوستوں کی یہ بساط بھر کوشش، یہ محدود اثرات اور یہ چھوٹی سی عمر گرچہ تھوڑی ہو لیکن وہ اپنے قلم کی طاقت سے جہالت کے اندھیروں کو دور کرنے کا بیڑا اٹھاتے ہیں ان کی اس دوستی کی بنیاد بھی قلم ہی سے پڑی تھی۔

'تہذیب' ایک ننھی سی بچی ہے اور یہ کہانی کا عنوان بھی ہے جو کہ اپنے نام کی معنویت سے کہانی میں تہذیبی عناصر کے بکھراؤ کو ختم ہوتا دیکھتی ہے۔

متین اچل پوری کو بچوں کی زبان و بیان اور نفسیات پر مکمل عبور حاصل ہے۔ اِن کہانیوں میں مکالموں کے ذریعے خیالات کو بڑے سلیقے سے پیش کیا گیا اور ساتھ ہی بچوں کی عمر کو دھیان میں رکھتے ہوئے نہایت سنجیدگی و متانت کے ساتھ ایسے الفاظ کا انتخاب کیا گیا جو بچوں کی طبیعت پر گراں بھی نہ گزریں اور مفہوم بھی واضح ہو جائے۔ موصوف کی اس ادبی پیش رفت کو دیکھتے ہوئے جناب نورالحسنین نے کتاب کے آغاز میں شائع اپنے مضمون میں دلی مسرت کا اظہار کیا ہے، نیز جناب ڈاکٹر محمود شیخ نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ "متین اچل پوری کے تخلیقی وژن اور موضوعات میں بچوں کی سی معصومیت بھی ہے اور سادگی اور سچائی بھی جو انھیں ہم عصر نثر نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ میں اِس کتاب کو غائر نظر سے دیکھ کر خوش بھی ہوں اور حیران بھی کہ کہانیوں کا یہ تحفہ یقیناً نثر کے میدان میں نیک شگون ثابت ہوگا۔"

■

Dr. Azhar Abrar
Assit. Prof & Head, Dept of Urdu,
Seth Kesarimal Porwal College
Kamptee, Nagpur - 441002 (Maharashtra)

عاطف محمد

علم کی اہمیت

* علم دین ہے اسے سیکھیے۔
* علم خزانہ ہے اسے ڈھونڈیے۔
* علم انسانیت ہے اسے اپنائیے۔
* علم زندگی ہے اس کی قدر کیجیے۔
* علم بندگی ہے اسے ادا کیجیے۔
* علم دوستی ہے اسے نبھائیے۔
* علم روشنی ہے اسے پھیلائیے۔
* علم دولت ہے اسے حاصل کیجیے۔
* علم طاقت ہے اسے بڑھائیے۔

■

Aatif Mohammad
Udgir Distt Latur
Udgir - 413515 (Maharashtra)

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

تہذیب کی شمع روشن کی اونٹوں کے چرانے والوں نے
کانٹوں کو گلوں کی قیمت دی ذروں کے مقدر چمکائے
(ماہر القادری)

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ
(اقبال)

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہانگیر و جہاندار و جہانبان و جہاں آرا
(اقبال)

تن بہ تقدیر ہے آج اُن کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
(اقبال)

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ
(اقبال)

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
(اقبال)

ہوگا وہی ازل سے ہے قسمت میں جو لکھا
قائل کسی شگون کے ہم ہیں نہ فال کے
(ظفر سہارنپوری)

ہر طرح کے کام میں تائید خالق چاہیے
ہم مقدم سمجھے ہیں تدبیر پر تقدیر کو
(نامعلوم)

رزق خود اُڑ کے پہنچتا ہے جو تقدیر کا ہو
پر دیے ہیں میرے رزاق نے ہر دانے کو
(ذوق)

رہے ہر حال میں تقدیر پہ شاکر انسان
سب بنے کام بگڑ جاتے ہیں گھبرانے سے
(نامعلوم)

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز
(اکبر)

نہیں چلتا کسی کا بس کریں گو لاکھ تدبیریں
وہی بات آئے گی آگے جو قسمت میں لکھی ہوگی
(شاد)

تقدیر ہے اک نام مکافاتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ پیغامِ خدایانِ ہمالہ
(اقبال)

کام جو دیر سے ہو تدبیر اس کا نام ہے
اور بے کوشش جو ہو تو تقدیر اس کا نام ہے
(ظفر)

ثمرین صدف شکیل احمد

نیلوفر اور جن

ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس میں ایک غریب لکڑہارا رہتا تھا۔ وہ روزانہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اُسے شہر میں بیچنے کے لیے جاتا تھا اسے جو پیسے ملتے تھے اس سے وہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا۔ لکڑہارے کی ایک بیٹی تھی جس کا نام نیلوفر تھا وہ بہت نیک اور ذہین تھی۔ لکڑہارا غریب ہونے کی وجہ سے نیلوفر کو اسکول میں داخل نہ کرا سکا۔ نیلوفر کو پڑھنے کا بہت شوق تھا اس لیے وہ گھر پر ہی کہانیوں کی اور دوسری کتابیں اپنی امی کے پاس پڑھتی تھی۔ اس کے والد اُسے خوب پڑھانا چاہتے تھے لیکن اُن کے پاس پڑھائی کے خرچ کے لیے پیسے نہ تھے۔

ایک مرتبہ لکڑہارا جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ اچانک اُس کی نظر ایک خوب صورت سی بوتل پر جا پڑی وہ اُس بوتل کو اٹھا کر کھولنے لگا لیکن وہ بوتل نہ کھل سکی۔ دراصل اُس بوتل میں ایک بہت شرارتی جن بند تھا جو سب کو اپنی شرارت سے پریشان کرتا تھا۔ اس لیے ایک جادوگر نے اُسے بوتل میں بند کر دیا تھا۔ اب یہ بوتل لکڑہارے کے پاس تھی۔ لکڑہارے نے سوچا کہ اِسے گھر جا کر کھولوں گا۔ وہ اپنا کام ختم کر کے گھر پر پہنچا اور بوتل کے ڈھکن کو کھولنے لگا۔ تبھی نیلوفر بھی آ گئی اور اپنے والد سے پوچھا ''ابو یہ کیا ہے'' اس کے والد نے تمام باتیں اُسے بتائیں۔ اچانک بوتل کا ڈھکن کھل گیا اُس میں سے ایک جن نکلا وہ بہت بھیانک لگ رہا تھا اُسے دیکھ کر لکڑہارا اور نیلوفر ڈر گئے۔ جن نے کہا، 'آپ لوگ مجھ سے نہ ڈریں کیونکہ میں ایک بہت نیک جن تھا۔ ایک بڑے جادوگر نے مجھے اِس میں بند کر دیا تھا آج آپ نے مجھے آزاد کر دیا اس لیے آج سے میں آپ کا غلام ہوں۔ جن اپنے بارے میں یہ سب جھوٹ کہہ رہا تھا۔ لکڑہارے نے کہا ''ہم بہت غریب ہیں اس لیے آپ ہمارے گھر کو بدل دیں اور ہمارے کھانے پینے کا انتظام کر دیں کیونکہ ہم کل سے بھوکے ہیں۔ جن نے فوراً یہ سب چیزیں مہیا کر دیں۔ لکڑہارا اور نیلوفر بہت خوش ہوئے لیکن یہ جن بہت بڑا تھا فوراً اس نے دوبارہ کہا ''میں نے آپ کو یہ چیزیں تو دے دیں لیکن آپ کو نیلوفر سے میری شادی کرنی ہوگی اور میں نیلوفر کو

اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اگر آپ نے انکار کیا تو میں یہ تمام چیزیں واپس لے لوں گا۔ لکڑہارا یہ سن کر بہت پریشان ہوا۔ نیلوفر بھی تمام باتیں سن رہی تھی وہ فوراً سمجھ گئی کہ یہ کوئی نیک جن نہیں ہوسکتا اُسے ایک ترکیب سمجھ آئی۔ پھر اس نے جن سے کہا ''میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں لیکن میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تم اتنی سی بوتل میں کیسے سما گئے۔ ایک مرتبہ اس میں جا کر دکھائیں تو میں آپ سے شادی بھی کرلوں گی اور آپ کے ساتھ بھی چلوں گی۔'' نیلوفر نے اس انداز سے یہ بات کہی کہ جن کچھ سوچے سمجھے بغیر اُس بوتل میں چلا گیا۔ نیلوفر نے اپنے والد کو جلدی سے اشارے سے ڈھکن کو ہاتھ اچھی طرح بند کرنے کو کہا اسی طرح نیلوفر کے والد نے اتنی جلدی سے یہ کام کیا کہ جن کچھ سمجھ بھی نہ پایا۔ پھر لکڑہارے نے بوتل کو اٹھا کر خوب دور پھینک دیا اس طرح نیلوفر اور اُس کا خاندان پھر ہنسی خوشی رہنے لگا۔

■

Samreen Sadaf Shakeel Ahmad
Class: 8-A, Qila Ghalib Nagar
Malegaon (Maharashtra)

■ **محمد سمرین**

سنہریں باتیں

* یادیں انسان کی بہترین دوست ہیں جسے دنیا کی کوئی طاقت جدا نہیں کرسکتی۔
* کوئی بڑا کام صرف وہ شخص کرتا ہے جو اپنے آپ کو چھوٹا کام کرنے پر راضی کرے۔
* دنیا میں زندہ رہنا ہے تو اس طرح رہو کہ لوگ تم سے ملنے کو ترسیں اور جب مرو تو لوگ تمھیں یاد کر کے آنسو بہائیں۔
* جو شخص قربانی دینے کا سلیقہ رکھتا ہے وہ مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔
* دولت مندی دل سے ہوتی ہے نہ کہ مال سے، بزرگی عقل سے ہوتی ہے نہ کہ دولت سے۔
* وہ گناہ گار جو دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے مغرور عبادت گزار سے بہتر ہے۔
* برے لوگوں کی دوستی اختیار نہ کرو ورنہ لوگ تمھیں برا سمجھیں گے۔
* بری کتابیں ایسا زہر ہیں جو جسم کو نہیں روح کو مار ڈالتی ہیں۔

■

Mohammad Samreen
Udgir Distt Latur
Udgir - 413515 (Maharashtra)

■ **محمد فاروق**

بڑے لوگ بڑی باتیں

(1) انقلابات معمولی باتوں سے نہیں آتے لیکن معمولی باتوں سے جنم لیتے ہیں۔

—ارسطو

(2) ہم انصاف کو بہت پسند کرتے لیکن انصاف کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

—جوزف روس

(3) اعمال پھل ہے لیکن حروف صرف پتے ہیں۔

—شیکسپیئر

(4) امید ایک چلتا پھرتا خواب ہے

—ارسطو

(5) چھوٹے چھوٹے اخراجات کا خیال رکھو۔ معمولی سوراخ بڑے بڑے جہاز کو ڈبو دیتے ہیں۔

—فرینکلن

(6) گفتگو چاندی ہے اور خاموشی سونا ہے۔

—تھامس کارلائل

■

Mohd Farooque

ہماری زبان

دوستو! ہم سب اس بات سے واقف ہیں کہ اردو بے حد شیریں زبان ہے اور ساری دنیا میں مقبول ہے۔ اردو جاننے اور بولنے والے کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن درست اردو اور صحیح اردو جاننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔ اس کالم کے تحت ہم روزمرہ میں اردو کے استعمال سے متعلق کچھ کارآمد چیزیں پیش کریں گے جسے یقیناً آپ سب پسند کریں گے۔ (ادارہ)

متضاد الفاظ

الفاظ	معنی	متضاد الفاظ	معنی
اتصال	ملنا	انفصال	الگ ہونا
ابتدا	شروع	انتہا	ختم
ابد	جس کی انتہا نہ ہو	ازل	جس کی ابتدا نہ ہو
احباب	دوست	اغیار	غیر، دشمن
جزا	نیکی کا بدلا	سزا	برائی کا بدلا
امیر	مالدار	فقیر	محتاج
اقبال	خوش نصیبی	ادبار	بدبختی
ارفع	بلند	اسفل	نیچا
ارزاں	سستا	گراں	مہنگا
افراط	زیادہ ہونا	تفریط	کم ہونا
اعلیٰ	بزرگ	ادنیٰ	چھوٹا
برکت	زیادتی	نحوست	بربادی
آغاز	شروع	انجام	آخر
بغاوت	سرکشی	اطاعت	فرماں برداری

الفاظ کی جمع واحد

واحد	جمع	واحد	الفاظ
احسان	احسانات	حاکم	حکام
اوّل	اوائل	ترجمہ	تراجم
الم	آلام	حاجی	حجاج
ادب	آداب	تقریر	تقاریر
آلہ	آلات	حادثہ	حادثات
آخر	اواخر	تفسیر	تفاسیر
امیر	امراء	تجربہ	تجربات
امت	اُمم	جواب	جوابات
اقرب	اقرباء	جاہل	جہلاء
باغ	باغات	حرف	حروف
رسم	رسوم	صفت	صفات
رب	ارباب	صالح	صلحاء
برکت	برکات	حکایت	حکایات
ذہن	اذہان	شیطان	شیاطین

آؤ اردو سیکھیں

(اردو سکھانے کے بہت سے طریقے رائج ہیں۔ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں اردو سکھانے کا یہ سبق تجرباتی طور پر شروع کیا گیا ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو غیر اردو داں بچوں کو اردو سکھانے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں آپ کے ذہن میں کوئی آسان اور مفید طریقہ ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کریں۔)

دیکھو، اسے 'ا' الف (अलिफ़) کہتے ہیں۔ اگر اسے ہندی میں سمجھنا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ अ کی آواز دیتا ہے۔

ا : अ

لیکن جب आ کہنا ہوگا تو اسی (ا) (अलिफ़) پہ ایک طرح کا نشان جو ایسا ـــ ہوتا ہے۔ (اس نشان کو 'مدّ' کہتے ہیں)۔ جب یہ مدّ (~) الف کے اوپر رکھ دیا جاتا ہے تو یہ आ کی آواز دیتا ہے۔

آج کا سبق صرف یہی ہے یعنی

ا : अ

آ : आ

اسے تصویر کی مدد سے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے:

Anar अनार انار سے الف

Aam आम آم سے آ

'ا' देखो इसे अलिफ़ कहते हैं। अगर इसे हिन्दी में समझना है तो कह सकते हैं कि ये 'अ' की आवाज़ देता है।

लेकिन जब 'आ' कहना होगा तो उसी (ا) पे एक तरह का निशान जो ऐसा ~ होता है इस निशान को मद कहते हैं। जब ये मद अलिफ़ के ऊपर लगा दिया जाता है तो ये 'आ' की आवाज़ देता है।

आज का सबक़ सिर्फ़ यही है यानी

ا अ Alif अंगूर انگور Angoor

Alif and Madda آ Aa

آ आ Aa आग آگ Aag 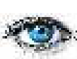 आँख آنکھ Aankh

इसे तस्वीर की मदद से यूँ समझा जा सकता है:

अलिफ़ से अनार Anar

आ से आम Aam

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ادبی لطائف

ہنسی کے غبارے

ایک پاگل سمندر میں دہی ڈال رہا تھا۔
دوسرے پاگل نے وجہ پوچھی۔
پہلا پاگل: میں لسّی بنا رہا ہوں۔
دوسرا پاگل: لوگ اسی لیے تجھے پاگل کہتے ہیں۔ اتنی ساری لسی کیسے پلائے گا۔

استاد: (شاگرد سے) ”جلاّ“ کو اپنے جملے میں استعمال کیجیے۔
شاگرد: میرا استاد جلاّد ہے۔“

استاد: بچو! ایسا جملہ بتاؤ جو ہزاروں سال سے طلبہ بولتے چلے آرہے ہیں۔ آج بھی بولتے ہیں اور کل بھی بولیں گے۔
طلبہ: وہ جملہ ہے کل سے میں پڑھائی شروع کروں گا۔

پولیس نے ایک چور پکڑا۔ تب پولس کے پاس ہتھکڑی نہیں تھی۔ چور نے کہا۔ آپ یہیں رُکیے میں ہتھکڑی لے کر آتا ہوں۔ پولیس والا بولا مجھے بیوقوف بناتا ہے۔ بھاگنے کی سوچتا ہے۔ تو یہیں رک میں ہتھکڑی لے کر آتا ہوں۔

شیخ عظمی حنیف: جماعت، دہم، اینگلو اردو ہائی اسکول، نندوبار، مہاراشٹر

ایک مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ ڈاکٹر بولتا ہے میں تمھارا علاج کر دوں گا تو تم مجھے کیا دو گے۔ مریض نے کہا میں قبر کھودنے کا کام کرتا ہوں۔ میں تمھاری قبر مفت میں کھود دوں گا۔

ایک آدمی ٹی وی خریدنے جاتا ہے اور دوکان والے سے کہتا ہے کہ مجھے ٹی وی چاہیے۔ دوکان والا کہتا ہے کون سی ٹی وی (Black & White) یا (Colourd)؟ وہ آدمی کہتا ہے مجھے (Black & White) دے دو گھر پر ٹی وی کو (Colour) پینٹ کرلوں گا۔

ضیاء خان یوسف خان، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، تعلقہ راویر، مہاراشٹر

شکاری: تم نے کسی ہرن کو یہاں سے گزرتے دیکھا ہے۔
دیہاتی: ہاں دیکھا ہے۔
شکاری: کتنی دیر ہوئی۔
دیہاتی: ایک سال ہوا۔

سلیم: تم نے گانے کی مشق کیوں چھوڑ دی؟
ریحان: گلے کی وجہ سے۔
سلیم: کیوں گلے کو کیا ہوا؟
ریحان: پڑوسی نے گلا دبانے کی دھمکی دی ہے۔

طوبیہ حیات بنت شمشاد احمد

جادوئی قلم

بہت پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک یتیم لڑکا حامد اپنی غریب ماں شاہین کے ساتھ ایک چھوٹی سی کٹیا میں رہتا تھا۔ وہ بہت غریب تھا۔ اس کی ماں ایک سیٹھ کے ہاں کام کرتی تھی۔ سیٹھ بہت کنجوس تھا۔ وہ اس کی ماں کو بہت پریشان کرتا تھا اور ان سے ڈھیروں کام کروایا کرتا تھا۔ بیچاری شاہین آپا بہت سیدھی سادھی اور خوش مزاج عورت تھیں اس لیے آج تک سیٹھ کے سامنے منھ سے ایک لفظ نہیں نکالا تھا۔ جیسے تیسے ان کا گزارا ہوتا تھا۔ ایک دن شاہین آپا نے حامد کے مرحوم دادا جان کا پرانا صندوق کھولا جس میں بہت ساری کتابیں تھیں حامد ان کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا لیکن اسے ان کتابوں میں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اسی وقت اس نے صندوق کے اندر ایک خوب صورت قلم دیکھا۔ اس نے وہ قلم اٹھالیا اور اپنی امی سے کہا دیکھو امی کتنا خوبصورت قلم ہے لیکن افسوس میں پڑھ نہیں سکتا یہ کہہ کر حامد رونے لگا۔ ماں سے یہ سب کچھ دیکھا نہیں گیا۔ بیچاری غریب عورت تھیں اپنے بیٹے کو پڑھا نہیں سکتی تھیں۔ تبھی انہیں ماسٹر عادل یاد آئے جو حامد کے ابو کے بہت اچھے دوست اور ایک بڑے استاد تھے، شاہین آپا اسی دن ان کے گھر گئیں اور کہا: ''ماسٹر جی! آپ تو جانتے ہیں میں ایک غریب اور بیوہ عورت ہوں، اپنے بچے کو تعلیم نہیں دلا سکتی۔ اس لیے آپ سے گزارش کرنے آئی ہوں کہ آپ میرے لخت جگر حامد کو اپنا طالب علم بنالیں۔ مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' چونکہ عادل صاحب ایک نیک انسان اور اچھے ماسٹر تھے۔ وہ حامد کو بنا کسی فیس کے پڑھانے لگے۔ ان کے گھر میں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں وہ صبح کے وقت نرسری سے لے کر درجہ پنجم تک کے بچوں کو پڑھاتے تھے اور شام کے وقت درجہ چھ سے لے کر آٹھ تک کے بچوں کو تعلیم دیتے تھے۔ یوں جیسے ایک چھوٹا سا اسکول۔ اب حامد بھی پڑھنے جانے لگا۔ ابھی وہ پنسل سے لکھتا تھا اور ہر ٹیسٹ میں اچھے نمبر حاصل کرتا تھا۔ اب وہ تیسری جماعت میں پڑھنے لگا۔ ماسٹر صاحب نے اس سے کہا کہ اب تمھیں قلم سے لکھنا ہے اس لیے کل سے قلم لے کر آنا۔ حامد کو

اپنے دادا جان کا وہ سنہرا قلم یاد آیا جس کو اس نے سنبھال کر رکھا تھا۔ اب وہ اس قلم سے لکھنے لگا۔ ایک دن اس نے اپنے دادا جان کا وہ صندوق کھولا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے اندر کہانی کی بہت ساری خوبصورت کتابیں بھی ہیں۔ اس نے وہ ساری کہانیاں پڑھ ڈالیں لیکن اسے سب سے اچھی کہانی جادوئی قلم کی لگی جس سے جو چیز بنائی جائے وہ سچ ہو جاتی تھی۔ حامد نے سوچا کہ کیا میرا قلم بھی جادوئی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس نے ایک کاپی پر ایک پلیٹ بنائی۔ اور اس کے اندر لذیذ کھانوں کی تصویر بنائی۔ اچانک کاپی سے روشنی نکلنے لگی اور کھانے کی ایک پلیٹ اس کے سامنے آ گئی۔ وہ تھوڑا ڈرا پھر اس نے اس پلیٹ سے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ تبھی ماسٹر عادل وہاں آ گئے حامد نے انھیں ساری کہانی سنائی۔ ماسٹر صاحب نے کہا کہ بیٹا اب جبکہ تمھیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ قلم جادوئی ہے لیکن یہ بات تم اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کو مت بتانا ورنہ وہ تمھارے اس قلم کو چرانے کی کوشش کریں گے۔ حامد نے گھر جا کر شاہین آپا کو ساری بات ایک سانس میں بتا دی۔ شاہین آپا کو ایک تدبیر سوجھی۔ انھوں نے کہا: بیٹا کل تم ماسٹر صاحب کو اپنے ساتھ لے کر آنا۔ حامد نے ایسا ہی کیا۔ اگلے دن عادل صاحب جب گھر آ گئے تو شاہین آپا نے کہا کہ ہم راتوں رات اس کٹیا سے چلے جائیں گے اور اس کٹیا کی جگہ ایک محل بنوائیں گے اور اس کو میری ایک غریب دوست رحمت کو دے دیں گے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے گا۔ عادل صاحب جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ شاہین آپا نے جیسا سوچا تھا ویسے ہی کیا اور سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔ جنگل کے بعد انہیں ایک سنسان جگہ دکھی۔ حامد نے ایک کاپی پر ایک خوب صورت محل، میٹھے پانی کا جھرنا، چھوٹے چھوٹے تالاب، ایک بڑا سا باغ، ایک بڑی سی بستی، اونچے اونچے درخت، محل کے لیے سپاہی اور خدمت کے لیے نوکر چاکر، اس جادوئی قلم سے بنائے۔ اور وہاں پر رہنے لگا۔ کچھ دنوں بعد وہاں سے ایک قافلے کا گزر ہوا۔ انھوں نے اس بستی کو دیکھا تو وہاں کے حکمراں سے ملنا چاہا، سپاہیوں نے انہیں اس بستی میں گھر دیے۔ حامد اور عادل صاحب قافلہ کے سردار سے ملنے آئے۔ انہیں پتہ چلا کہ وہ بہت دور سے آئے ہیں اور راستہ بھٹک گئے ہیں۔ اسی طرح کئی قافلے اور آئے اور وہاں بس گئے۔ کچھ دنوں بعد اس قافلہ کے سردار کو معلوم ہوا کہ یہ جگہ ایک جادوئی قلم سے آباد ہے۔ وہ حامد اور عادل صاحب کے سارے احسانات بھول گیا اور قلم کو چرانے کی تدبیر سوچنے لگا۔ ایک دن بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ قافلہ کا سردار محل میں کسی کھڑکی کے ذریعے داخل ہو گیا اور قلم چرا کر راتوں رات وہاں سے فرار ہو گیا۔ صبح کو حامد نے قلم کو بہت تلاش کیا لیکن وہ قلم اسے کہیں نہیں ملا۔ یہ بات اس نے شاہین آپا اور عادل صاحب کو بتلائی۔ شاہین آپا نے کہا: ''بیٹا! خدا نے ہمیں اتنا کچھ دیا ہے کہ ہمیں زندگی میں اور کچھ نہیں چاہیے لیکن میں خدا سے دعا کروں گی کہ اپنا دیا ہوا ہم سے مت چھیننا۔'' حامد کو یہ بات سمجھ میں آ گئی اور وہ لوگ اس قلم کو بھول کر ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔ اس لیے میرے عزیز بھائیو اور بہنو! دنیا میں ہمیں بہت کچھ ملتا ہے لیکن بعد میں ہم سے وہ لے لیا جاتا ہے، لیکن ہمیں ان چیزوں کو بھول کر آگے کی زندگی کے بارے میں سوچنا چاہیے جیسے حامد میاں نے کیا۔

■

Tarbiya Hayat D/O Shamshad Ahmad
Sarjurai ka Pura Mau Nath Bhanjan
Mau (UP)

زہرہ علی، درجہ پنجم اے، مفرون پبلک سکول، H-472، ایکتا وہار، گیان نندیر روڈ، نئی دہلی 47

مریم نوشاد، کلاس کے جی، ایکا سرا سکول، ذاکر نگر، نئی دہلی

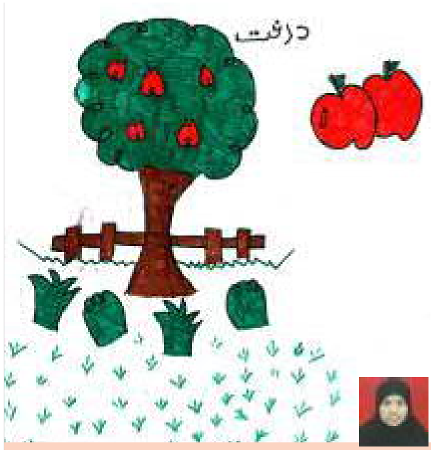

عرشیہ بی شیخ افضل، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، تعلقہ، مہاراشٹر

رابعہ، گورنمنٹ گرلس مڈل اسکول، باری برہمنا، ضلع سامبا، جموں وکشمیر

خیرالنسہ شیخ، درجہ ہشتم، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، تعلقہ، مہاراشٹر

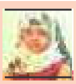

انشرح عنان، درجہ سوم، رول نمبر 1، لے کیم
گلوبل اسکول (CBSE)، ظہیرآباد، تلنگانہ

Facebook اردو فیس بک

کونسل کے زیرِاہتمام شائع ہونے والا رسالہ 'بچوں کی دنیا' میں اور میری چھوٹی بہن ہر ماہ پابندی کے ساتھ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو ادب کی دنیا کے آسمان پر یوں ہی تابندہ رکھے۔

صدف ابتسام صفہ، جماعت ہشتم، انگلش ہائی اسکول، آکولہ (مہاراشٹر)

میں 'بچوں کی دنیا' کو کئی مہینوں سے پڑھ رہا ہوں لیکن جب میں نے اس میں شائع ہونے والی ننھے فنکاروں کی پیاری پیاری ڈرائنگ دیکھا تو میرے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی کہ میں بھی اپنی ڈرائنگ کو ایک بار اس رسالے میں شائع ہوتا دیکھوں اور اللہ نے میری دعا قبول کرلی اور میری بھی ڈرائنگ اس رسالے میں شائع ہوگئی۔ مگر آپ کے نام ٹائپ کرنے میں چھوٹی سی غلطی ہوگئی میرا نام عرشیان ہے لیکن رسالے میں عرشیہ شائع ہوا۔ 'بچوں کی دنیا' ماہ اکتوبر میں میری ڈرائنگ شائع کرنے کے لیے شکریہ!

عرشیان عقیل کھاتک، درجہ ہفتم، شیخ امام پرائمری اسکول

واہ! کیا بات ہے۔ بھئی بہت خوب۔ دل چھولیا۔ بچوں کی دنیا کا کیا کہنا۔ ہم بچوں کے لیے 'بچوں کی دنیا' کسی الہ دین کے چراغ سے کم نہیں ہے۔ 'بچوں کی دنیا' زندہ باد!

شیخ احفاظ شیخ الیاس، برہانپور، مدھیہ پردیش

مجھے 'بچوں کی دنیا' پڑھنا بہت پسند ہے۔ میری تمام طلبا سے گذارش ہے کہ وہ پابندی سے خرید کر پڑھیں۔ سچ پوچھے تو اس رسالے نے ہم میں کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا کیا ہے۔ میں بے صبری سے بچوں کی دنیا کا انتظار کرتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اسی طرح 'بچوں کی دنیا' ہم بچوں کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

عرشیہ بی شیخ افضل، جماعت: ہشتم، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور

بہت خوب 'بچوں کی دنیا' کا کیا کہنا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ ایک ہی نشست میں پورا پڑھ ڈالا۔ واقعی 'بچوں کی دنیا' ہم جیسے نونہالوں کی رہنمائی کر رہا ہے۔ نہ صرف تعلیمی میدان میں بلکہ ہر سمت میں ہماری ذہنی وفکری تربیت کا سامان فراہم کر رہا ہے۔

صالحہ بی شیخ محمود، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، تعلقہ راویر

BACHON KI DUNIYA Monthly, February 2017, Vol. 05, Issue: 2
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/01/17
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

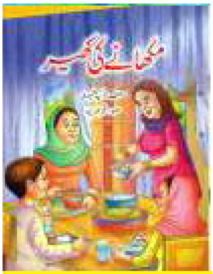
صفحات ۱۶، قیمت ۲۰ روپے

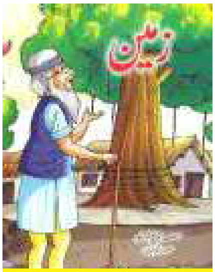

صفحات ۱۶، قیمت ۲۰ روپے

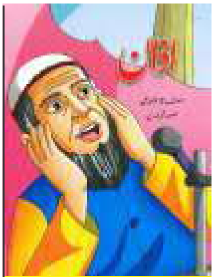

صفحات ۱۶، قیمت ۲۵ روپے

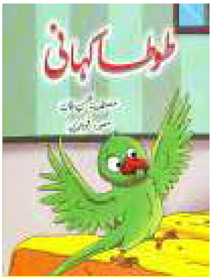

صفحات ۱۶، قیمت ۲۰ روپے

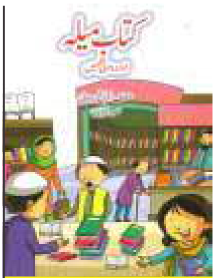

صفحات 12، قیمت ۲۰ روپے

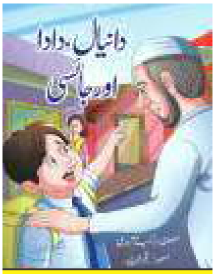

صفحات 12، قیمت ۲۰ روپے

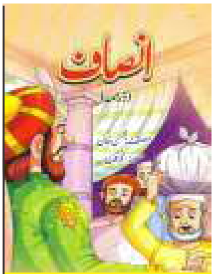

صفحات: ۱۸، قیمت ۲۵ روپے

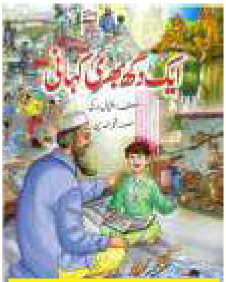
صفحات ۱۶، قیمت 24 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail: ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.